To Manzur Hazim Kashmiri
Secretary Public library
Shireez Chowk
Khanyar Srinagar
PIN 190003

کائناتِ راز

راز لائل پوری

مرتبہ:
کے۔ ایل۔ نارنگ ساقی

From
Raaz Layalpuri
Q.18 Malaviya
Delhi-110007
23-8-89

یہ کتاب اُردو اکادمی دہلی کے مالی اشتراک سے شائع کی گئی

انتساب

شریمتی اور شری بی۔ ڈی مہرہ صاحب

کی نذر، جو ایک بڑے کاروبار کے مالک بھی ہیں اور شعروسخن

کے شیدائی بھی

کائناتِ رازؔ اُن کی ادب دوستی اور دوست نوازی کا ایک

ادنیٰ کرشمہ ہے

اشاعتِ اوّل : ۱۹۸۹ء

تعداد : چھ سو

طباعت : جواہر آفسیٹ پرنٹرز دہلی

خوش نویس : سبطین حیدر

ناشر : رازؔ لائل پوری کیو ۱۸ ملکہ گنج دہلی

فون نمبر : ۲۹۱۰۱۳۴

تقسیم کار : شانِ ہند پبلی کیشنز ۸۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی

قیمت : ۳۵/ روپے

مَن کہ

نام: دھنپت رائے تھاپر۔ تخلص: رازؔ۔ ولادت: ۱۴ر جولائی سنہ ۱۹۲۰ء لائل پور،

(پاکستان) شری جے۔ آر۔ تھاپر صاحب کے متموّل و مُتمدن گھرانے کا ایک فرد ہوں۔ میٹرک تک تعلیم پائی۔ اُردو میں ادیب کا امتحان پاس کیا۔ تقسیمِ وطن کے بعد مُستقل طور پر دِلّی میں مُقیم ہوں۔ شعرگوئی کا شوق فطری ہے۔ لائل پور، منٹگمری، لاہور، اور بمبئی میں حضرت سرشارؔ سیلانی کی سرپرستی حاصل رہی۔ اُن کے اِنتقال کے بعد مُمتاز الشعراء قبلہ ساحرؔ ہوشیارپوری کے آگے زانوئے اَدب تہہ کیا اور یہ سِلسِلۂ تلمّذ آج تک جاری ہے۔ آپ نہ صرف میرے اُستادِ مکرّم ہیں، بلکہ دیرینہ شفیق اور مُربّی بھی ہیں۔ شہریارِ سخن پروفیسر بخشی اخترؔ امرتسری کے مُشفقانہ مشوروں اور اُن کی رہنمائی کا فخر بھی مجھے حاصل ہے۔ میری پہلی تصنیف "نُورِ صداقت" (نظموں کا مجموعہ) ہندی لپی میں سنہ ۱۹۷۹ء میں چھپی تھی دوسری تصنیف "آئینۂ رازؔ" سنہ ۱۹۸۱ء میں منظرِ عام پر آئی جس پر اُتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ (یو۔ پی) کی طرف سے مارچ سنہ ۱۹۸۲ء میں ایک ہزار روپے کا انعام عطا ہُوا اور میری تیسری تصنیف "رازونیاز" سنہ ۱۹۸۵ء میں چھپی، جس پر اُتر پردیش اُردو اکادمی نے اِنعام وایوارڈ دیا۔ اب یہ چوتھی تصنیف "کائناتِ رازؔ" قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

تعارفی رُباعی

کِھلتا ہُوا گُل جوشؔ کے گُلزار کا ہوں
ممنُون کرم اخترؔ فنکار کا ہوں
ہے داغؔ کے مکتب سے تعلّق اے رازؔ
خادِم بہ سُخن ساحرؔ و سرشارؔ کا ہوں

دُعائیہ

جناب رازؔ لائل پوری شعر و سخن کی دُنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ غزلیات اور قطعات اور رُباعیات پر مشتمل اُن کے دو مجموعے "آئینۂ راز" (سنہ ۱۹۸۱ء) اور "راز و نیاز" (سنہ ۱۹۸۵ء) ادبی حلقوں میں مقبول ہو چکے ہیں۔ اب اُن کا تیسرا مجموعہ "کائناتِ راز" زیرِ اشاعت ہے جس میں غزلیہ شاعری کے علاوہ نظموں کی کثیر تعداد بھی شامل ہے۔ یہ نظمیں وطن پرستی، قومی یک جہتی اور عالمی امن کے آفاقی موضوعات پر تخلیق کی گئی ہیں اور قاری کو ایک ایسے سخنور سے رُوشناس کرانے میں رہنمائی کرتی ہیں جس کی پروازِ فکر صرف حُسن و عشق، شمع و پروانہ، اور مَے و مینا ہی کے دائرے میں محصور نہیں، بلکہ جس کے تخیّل اور عمل میں زندگی کی اعلا اور اَرفع قدریں بھی پوری تابانی اور دلکشی کے ساتھ موجزن ہیں۔ اُمید واثق ہے کہ اُن کے کردار کی یہ معطّر سرگوشیاں اہلِ ذوق اور اہلِ دل کے لئے طمانیت اور فرحت کا موجب ہوگی۔

فرید آباد، ۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۸۹ء

ساحرؔ ہوشیار پوری

دُعائیہ

عزیزی رازؔ لائل پوری نے مجھے بتایا کہ اُن کی چوتھی شعری تصنیف بنام "کائناتِ راز" عنقریب ہی زیورِ اشاعت سے مزیّن ہو کر منظرِ عام پر آنے والی ہے۔ مجھے یہ سُن کر دلی خوشی ہوئی۔

میری دلی دُعا ہے کہ آپ کی یہ تازہ تصنیف بھی پہلی تصانیف کی طرح قبولِ عام کی سند پائے۔ آمین!

بخشی اخترؔ امرتسری

کائناتِ راز کا ایک زندہ نقش

کائنات کے سربستہ راز کس پر منکشف ہوئے ہیں؟ کون اِن رازوں کو جان سکا ہے؟

محترم راز لائل پوری نے شاید کائنات کے رازوں کو جان لیا ہے، اُن کی حقیقت پہچان لی ہے۔!

جب انسان کے سامنے رازِ کائنات کی حقیقتیں وا ہو جاتی ہیں تو یہ جیون سریتا بھی من کو لُبھانے لگتی ہے۔ اور شاید اِسی من لُبھانے سے مُتاثر ہو کر راز لائلپوری صاحب رقمطراز ہیں ؎

منزل پہ راز قافلہ پہنچے تو کس طرح　　جو راہبر بنے ہیں وہ ہیں راہزن تمام

گویا اُنھیں ایک طرف تو یہ جیون سریتا بھی بھلی لگتی ہے تو دُوسری جہت اپنی منزل تک پہنچنے میں دُشواریوں کا سامنا بھی ہے اور اُن راہزنوں کا خوف بھی ہے جو رہبروں جیسا چہرہ سجائے قدم قدم سائے کے مانند ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اُن رہزنوں سے خود کو کیسے بچایا جا سکتا ہے جو دوستوں کے رُوپ میں رقیب ہوں۔

راز لائل پوری صاحب آبگینوں جیسی طبیعت بھی رکھتے ہیں جو ذرا سی ٹھیس لگنے پر پھوٹ جاتے ہیں، اور وہ حُزن و ملال کو ذہن کے دریچوں میں سجا کر برملا کہہ اُٹھتے ہیں ؎

سُننا اگر ہے نغمۂ بُلبُل تو باغباں　　باہر نکال باغ سے زاغ و زغن تمام

اُنکی اِس حسّاس طبیعت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑا ہی کومل اور سُندر مَن رکھتے ہیں۔ اور وہ مَن آنگن کتنا سُندر ہو گا، جسکی مُنڈیر پر وہ زاغ و زغن کی بے محل اَلاپ سُننا گوارا نہیں کرتے، شاید اس شور و غُل سے اُن کی شانتی میں خلل پڑتا ہے۔

اُنھیں جہاں گُل و بُلبُل سے قُربت ہے، وہاں اُن گلبدن لوگوں کا بھی احساس ہے جن کے ابدان جلنے کا شکوہ بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "کائناتِ راز" یعنی یہ وہ کائنات نہیں جس میں ہم اور آپ رہتے ہیں، بلکہ یہ کائنات تو اپنے راز صاحب کی ہے، راز صاحب

کی دُنیا، رازؔ صاحب کا سنسار، جس میں اُن کی صُبحیں اور شامیں ہوتی ہیں، کبھی بہارِ شمیم کے جھونکوں میں، کبھی جام و ساقی کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

دہکا ہوا ہے آتشِ گُل سے چمن تمام — اللہ جل نہ جائیں کہیں گُلبدن تمام

اُنہیں چنداں اپنی فکر نہیں، لیکن اُن گُلبدنوں کی فکر ضرور ہے، جن کے آدھار پر وہ اپنی کائنات میں زندہ و جاوید ہیں۔ رازؔ صاحب کہیں تو اُن نازک بدن لوگوں کا خیال کرتے ہیں اور کہیں گھبرا کر ساقیِ مِیخانہ سے ایک جامِ خُنک کی جُستجو کا اظہار کرتے ہیں ؎

ساقی پلا دے جامِ شرابِ خُنک مجھے — جل بھُن رہا ہے آج مرا تن بدن تمام

بس یہ بات تو رازؔ صاحب ہی جانتے ہوں گے کہ ایک جامِ خنک سے جلنے تن بدن کس طرح رمقِ زیست پاتے ہیں۔

رازؔ صاحب کی شاعری میں جہاں سرُور و سرود کا ذکر عام ملتا ہے، وہاں جام و رطل اور زجاج کی باتیں بھی پائی جاتی ہیں، جن کا سرُور اور کیف انسان کے دل و دماغ کو پیارے پیارے شبدوں کی عنبر سے معطّر کر دیتا ہے اور لفظوں کی ابتہاج نس نس میں اُترتی محسوس ہوتی ہے۔

رازؔ صاحب کبھی کسی کی مست نظر کا شکار ہو جاتے ہیں تو کبھی مے گساری کو اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں یہ صاحب کتنے بھولے اور سادہ لوح ہیں کہ پل بھر میں اسیرِ نظر بن جاتے ہیں اور اس طرح کسی مست نظر کا شکار ہو کر پکار اُٹھتے ہیں ؎

تُمہاری مست نظر کا شکار ہو کے چلے — جو مَیگسار نہ تھے مَیگسار ہو کے چلے

صبا کے باغ میں چلنا ہے تو کہہ دو اُسے — شمیمِ زُلف بنے مُشکبار ہو کے چلے

رازؔ صاحب کی ہمہ گیر شخصیت یہ باور کرنے پر بھی مجبور کر دیتی ہے کہ وہ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کی اتّباع کرتے ہیں اور اَغلباً اُنھیں سے مُتاثر ہو کر پکار اُٹھتے ہیں ؎

سُبوئے زر میں پلاؤ نہ ظرفِ ناز میں تم — شراب ڈالو مرے کاسۂ نیاز میں تم

شراب خانے کی آؤ اگر نماز میں تم   ہر ایک سجدے میں نورِ خدا نظر آئے

رازؔ صاحب کا چوتھا مجموعۂ کلام "کائناتِ راز" صوری اور معنوی اعتبار سے منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ اپنی غزل گوئی کو نئے راستے نئے ڈھب اور نیا اسلوب بخشا ہے۔ انھیں بلاشک و ابہام غزل گوئی میں بہت مہارت ہے، اور بڑی چابکدستی کے ساتھ غزل کہتے ہیں۔ اُن کی یہ خوبیاں انھیں برصغیر ہند و پاک کے صفِ اوّل کے شعراء کے درمیان لا کھڑا کرتی ہیں۔ انھوں نے جو کچھ بھی لکھا اور کہا ہے وہ معنوی اعتبار سے بھی بڑا جامع ہے اور وقت کو اپنی مٹھی میں بند کر کے لکھا ہے۔ انکی معنی خیز اور خوبصورت غزلیں، رباعیات، قطعات، بہاریہ نظمیں اور عشقیہ گیت اپنا ایک مقام اور افادیت رکھتے ہیں۔

زیرِ مطالعہ کتاب "کائناتِ راز" میں انھوں نے حمد و ثنا اور نعت شریف کے علاوہ ستّر کے قریب جدید دور کی جدید غزلیں، اور ستّر کے قریب قطعات وغیرہ کہے ہیں جن سے کتاب کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔

مَیں اُن کی اس شاندار کاوش پر انھیں بصمیمِ قلب مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ اُن کی اِس ادبی کاوش کو پورے برِصغیر میں نمایاں قبولیت حاصل ہو۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

ڈاکٹر شاہد الوری

ایگزیکٹو ایڈیٹر ماہنامہ "صورت" کراچی (پاکستان)

کائناتِ راز کے خالق

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ جناب رازؔ لائلپوری کا ایک اور شعری مجموعہ "کائناتِ راز" اشاعت پذیر ہو کر منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ اِس سے قبل اُن کے تین شعری مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں جو اپنی دلکشی دلآویزی

کے سبب اہلِ ذوق سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

رازؔ صاحب ایک خوش فکر اور خوش گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوش خلق اور خوش اطوار نیک انسان بھی ہیں۔ ان کا کلام شگفتگی و برجستگی اور رنگینی و رعنائی کے محاسن کا آئینہ دار ہے۔ لطافتِ زبان اور سلاستِ بیان کا جوہر جو داغؔ اسکول کا خاصّہ ہے، ان کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ رازؔ صاحب کی شخصیت اور شاعری کے پیشِ نظر ان کے کردار و گفتار کی ہم آہنگی دیکھ کر مجھے ڈاکٹر خلیق انجم کے اُن فرمودات پر ایمان لانا پڑتا ہے، جن کا اظہار اُنھوں نے "داغؔ کی شخصیت اور سیرت" کے ضمن میں یُوں کیا ہے:

"ہمارے بیشتر شاعروں کی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک تو وہ مثالی شخصیت جو اُن کے فن میں نظر آتی ہے، دُوسری اُن کی اصلی اور حقیقی شخصیت۔ غالبؔ اور اقبالؔ جیسے عظیم شاعروں کے کردار و گفتار میں تضاد نظر آتا ہے، داغؔ کے یہاں ہرگز یہ بات نہیں، اُن کا ظاہر و باطن ایک ہے، اُن کے قول و فعل میں کوئی فرق نہیں۔"

یہی فرمودات جو اُن کے پردادا اُستاد داغؔ دہلوی پر صادق آتے ہیں، رازؔ صاحب پر بھی کھرے اُترتے ہیں۔ جیسے یہ رِند لااُبالی ہیں، وَیسا ہی اِن کا رِندانہ کلام ہے۔ جیسی شگفتہ طبیعت خدائے تعالیٰ نے اِن کو عطا فرمائی ہے، وَیسی ہی شگفتگی اِن کے کلام میں نظر آتی ہے۔ یاس و حسرت اور رنج و غم کے اثرات کا اِن کے کلام میں نام و نشان تک نہیں۔

مجھے یقین ہے کہ رازؔ صاحب کا یہ مجموعۂ کلام بھی اپنی دِلکشی اور دِلآویزی کے سبب اَدبی حلقوں میں مقبولِ خواص و عوام ہوکر مشتاقانِ سخن سے داد و تحسین حاصل کرے گا۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

رازؔ لائل پوری صاحب کا دیوان "کائناتِ رازؔ" کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ اُن کا کلام دہلی کی بعض محفلوں میں سُنا ہے اور محظوظ ہُوا ہُوں۔ رازؔ صاحب شہیدِ قوم بھگت سنگھ کے ساتھی شری سُکھ دیو جنھوں نے خود بھی خدمتِ وطن میں جامِ شہادت نوش کیا تھا، کے چچازاد بھائی ہیں۔ ایسے شخص کا کلام بھلا وطنیت اور جذباتِ آزادی سے سرشار کیوں نہ ہوگا۔ رازؔ صاحب نے غزلیں، نظمیں، رُباعیات و قطعات، سب کچھ کہا ہے اور جناب

بخشی اختر امرتسری نے صاد فرمایا ہے۔ یہ نسل جو صحیح معنوں میں وہ لسانی تھی اور اردو کا عشق جس کی رگ رگ میں رچا بسا تھا، اب ختم ہوتی جارہی ہے۔ گویا "کائناتِ راز" کو جاتی ہوئی بہار کا آخری پھول سمجھنا چاہیئے جس میں رنگ بھی ہے اور خوشبو بھی۔

(پروفیسر) گوپی چند نارنگ

دصنپت رائے، المتخلص راز لائل پوری اُن شعراء میں ہیں جنھوں نے شاعری سے فرض اور محبّت دونوں کا رشتہ قائم کیا ہے۔ شاعری کا شوق قدرت کا عطیہ تھا، مگر ماحول نے اس پر جلا بخشی۔

"کائناتِ راز" میں راز لائل پوری کے یہاں ایک سچے ہندو کا جذبۂ مذہب بھی نظر آئے گا۔ وہ رام چندر جی، اور کرشن جی کا ذکر جس والہانہ انداز سے کرتے ہیں، وہ اُن کی عقیدت اور محبت کی نمایاں مثال ہے۔

"کائناتِ راز" کا موضوع وسیع ہے۔ راز لائل پوری نے اِس میں مختلف اصنافِ سخن کا احاطہ کیا ہے۔ اِس مجموعہ میں ایک طرف وطن اور وطن کے مجاہدین کا ذکر ہے اور دوسری طرف غزلوں کے ذریعے محبت کے نغمے بکھیرے ہیں۔ ان کی غزلوں میں عصرِ حاضر کی آواز بھی ہے اور وارداتِ قلب کی ترجمانی بھی۔

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی

"کائناتِ راز" نام ہے پنجاب کے جادو نگار شاعر راز لائلپوری کے چوتھے مجموعۂ کلام کا۔ آپ کے کلام فصاحت نظام میں حُبِّ وطن، آدمیت نوازی، پاسِ وفا، دردِ اُخوت، جذبۂ ایثار و مروت، انسان دوستی، غم گساری، ہمدردی، جاں نثارانِ وطن سے بہی محبت اور قلبی وابستگی ہر گام پر نمایاں طور پر اپنے بے نقاب جلوے دکھا رہی ہے۔ جناب سرشار سیلانی مرحوم، ممتاز الشعراء حضرتِ ساحر ہوشیارپوری، شہریارِ سخن حضرت بخشی اختر امرتسری ایسے نامور اساتذہ نے ان کی تربیت اس نادر طریق پر کی ہے کہ آپ کے کلام میں روزمرہ کی دلکشی، محاورات کی دل بستگی، تلمیحات کی درستی، تمثیلات کی موزونیت، استعارات کی ندرت، تشبیہات کی لطافت، زبان کی عذوبت، بیان کی ملاحت، مضامین کی نفاست، خیالات کی رفعت، جذبات کی پاکیزگی، محاکات کی وارفتگی، اسالیب کی شگفتگی، وارداتِ قلبی کی درست عکاسی، جذبۂ و فکر کا حسین امتزاج، غیر روایتی روش، لب و لہجہ

کی انفرادیت، چُستی و برجستگی، تراکیب، بندش کی پختگی اور شادابی، نفسیاتی تحلیل و تجزیہ، شاداب سرسبز اور خوشگوار زمینوں کی تلاش، نادر اور دلپذیر ردائف، جوش و سادگی اور سہلِ ممتنع ایسی خوبیاں قدم قدم پر دامنِ دل کو کھینچتی معلوم ہوتی ہیں۔ آپ نے اپنی نظموں کو غزل کا رنگ دے کر بوقلمونی اور گوناگونی کے جوہر دکھائے ہیں۔ ہر دلعزیزی، جاذبیت اور افادیت کے اعتبار سے آپ کی نظمیں قابلِ صد ہزار ستائش ہیں۔

پنڈت رتن پنڈوروی

حضرت رازؔ لائلپوری ایک باکمال اور پُرگو شاعر ہی نہیں، وہ مشترکہ قومی تہذیب کے ترجمان بھی ہیں۔ اُنکے دو شعری مجموعے "آئینۂ راز" اور "راز و نیاز" اہلِ ذوق سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔ اب "کائنات راز" زیرِ اشاعت ہے۔ اس کی بیشتر نظموں میں ہماری موجودہ قومی صورتِ حال پر نہایت دردمندانہ انداز سے تبصرہ ملتا ہے۔ خاص طور پر قومی یکجہتی کے موضوع پر خوبصورت نظمیں ملتی ہیں۔ نظموں کے علاوہ غزلیات، قطعات اور رباعیات بھی اس مجموعہ کی زینت ہیں غزل میں حضرت رازؔ کلاسیکی اسلوب کو عزیز رکھتے ہیں۔ زبان و بیان پر انھیں بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ ریاضؔ کی طرح خمریات ان کا بھی خاص میدان ہے اور اس میدان میں انھوں نے اپنی قادرالکلامی کے اچھے شعر نکالے ہیں۔

قمر رئیس

رازؔ کے کلام میں جا بجا وطن پرستی، انسان دوستی اور محبت کے اشارے ملتے ہیں "پیار" اس کی فطرت کا جوہر ہے اسکے جیون کا سہ ہے۔ اپنے دیش سے پیار، اپنے احباب سے پیار، اپنے فن سے پیار اور دُختِ رز سے پیار، اس کے تن من میں بسا ہوا ہے۔ وہ اپنے پیار بلکہ عشق جو اسکو مئے و مینا سے ہے، کے اظہار میں کسی جھجھک یا پردہ داری کا روادار نہیں۔ صاف گوئی اُس کا مسلک ہے۔ "آئینِ ماست سینہ چوں آئینہ داشتن" وہ زندہ دلی کا قائل ہے اور ہر طرف مسرتیں بکھیرنے کا داعی!

آپ اس متنوع مجموعہ کو جو رازؔ کی کائنات ہے دیکھیں، پرکھیں اور محظوظ ہوں۔ اُمید واثق ہے کہ آپ مجھ سے متفق ہونگے کہ میں نے مبالغہ یا بخل سے کام نہیں لیا۔ صرف حقیقت بیانی اور اختصار کو مدِنظر رکھا، ورنہ قدم قدم پر "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست"!

طالب چکوالی

جنابِ دھنپت رائے تھاپر راز لائل پوری اردو داں حضرات کے لئے محتاجِ تعارف نہیں۔
اردو شاعری کے قواعد اتنے پیچیدہ ہیں کہ بیشتر شعراء کو کسی کی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ جناب
راز نے کئی ماہرینِ فنِ سخن سے اکتسابِ فن کیا۔ فرمایا ہے ؎

کھلتا ہوا گل جوش کے گلزار کا ہوں
ممنونِ کرم اخترِ فن کار کا ہوں

ہے داغ کے مکتب سے تعلق اے راز
خادم بہ سخن ساحرِ سرشار کا ہوں

جنابِ راز ایک باکمال شاعر ہیں مگر غرور نام کو نہیں۔ بڑوں کا احترام، احباب سے محبت و خلوص
کا برتاؤ ان کا شعار ہے۔ اُمید ہے کہ ان کا یہ مجموعہ "کائناتِ راز" ادبی خزانے میں ایک اضافہ ہوگا
اور ماہرینِ فنِ سخن اور مذاقِ سلیم رکھنے والوں سے ستائش و مدح حاصل کرے گا۔ اور اکادمیوں سے
انعام اور ایوارڈ حاصل کرے گا۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

ادیب لکھنوی

جنابِ راز لائلپوری کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ کلاسیکی انداز کے کہنہ مشق
اور نغز گو شاعر ہیں، مگر جدید رجحانات سے بھی متاثر ہیں۔ فنی پابندیوں کے ساتھ ساتھ زبان و
بیان پر بھی قدرت رکھتے ہیں اسی لئے ان کے کلام میں روانی بھی ہے اور دل آفرینی بھی۔
مجھے یقین ہے "کائناتِ راز" کو قارئین مناسب قدردانی سے نوازیں گے۔

راجیندر بہادر موج

کائناتِ راز سے متعلق

قطعۂ تاریخِ اشاعت

شاعرِ رُومان چرخ چنیوٹی

کائناتِ راز ہے پُر از جلال | گرد پوش اِس کا ہے رشکِ صد جمال
گیت لافانی ہیں، نظمیں جاوداں | ہر رُباعی، ہر غزل ہے لازوال
اِس کا اِک اِک شعر ہے جامِ آشنا | میکدہ بردوش ہے اِک اِک خیال
پُوچھی تاریخِ اشاعت مَیں نے جب | مجھ کو ہاتف نے نِدا دی حسبِ حال

"کائناتِ راز" کیوں دِلکش نہ ہو
"راز ہے جب بے نظیر و بے مِثال"

۱۹۸۹ء

حمد و ثنا

مخزنِ لُطف ترا دربار
معدنِ جُود تری سرکار
بندہ نوازی تیرا شعار
دُنیا تیری وظیفہ خوار

حشر میں تیری بخشش عام
کملی والے تجھ پہ سلام

اے مِرے آقا ایک نظر
اے مِرے مولا ایک نظر
قِبلۂ و کعبہ ایک نظر
مُلجا و ماوا ایک نظر

ایک نظر ہے سو اِنعام
کملی والے تجھ پہ سلام

مادرِ ہند کی ہوں اولاد
قیدِ تعصّب سے آزاد
سر آنکھوں پہ ترا ارشاد
دِل میں تیری مبارک یاد
لب پر تیرا مقدّس نام
کملی والے تجھ پہ سلام

شمعِ حقیقت جلوہ دِکھا
قاصدِ رحمت مژدہ سُنا
ابرِ عنایت مینہ برسا
ساقیٔ وحدت جام پلا
ارض و سماء میں تیرا نام
کملی والے تجھ پہ سلام

اللہ، اللہ، شانِ ظہور
فرشِ زمیں اک چادرِ نور
زُلفِ سیاہ شبِ دیجور
چہرۂ زیبا، جلوۂ طور
نازِ حسیناں گردِ خرام
کملی والے تجھ پہ سلام

نعت

در حمدِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم

عاشق نہیں ہوں حُسنِ جہانِ خراب کا
شیدا ہوں دِل سے میں تو رِسالتمآب کا

ہے داستان آپ کی ہر اِک کتاب میں
ہے درج ہر جریدہ فسانہ جناب کا

کچھ آرزوئے ساغرِ کوثر نہیں رہی
جب سے پیا ہے جام نبیؐ کی شراب کا

ذِکرِ نبیؐ کو سُن کے کِھل اُٹھتا ہے ایسے دِل
کِھلتا ہے جیسے پھُول چمن میں گلاب کا

جب خاطیوں کی پُشت و شفاعت پہ ہیں نبیؐ
پھر خوف کچھ نہیں ہے کسی کو حساب کا

اب کیا کرے گی زُلفِ شکن در شکن اسیر
یہ دِل اسیرِ ازل سے ہے اُس زُلفِ تاب کا

میری نظر میں سچّا مسلماں ہے رازؔ وہ
ہر لفظ جس کو یاد ہے قرآں کے باب کا

اے بھارت کے قومی جھنڈے

اے بھارت کے قومی جھنڈے
تیرا ہے آکاش میں دھام
تُجھکو ہمارے لاکھوں سلام

کِتنا سُندر، کِتنا پیارا
لگتا ہے آکاش میں تُو
جِتنا سُندر تُو ہے ترنگے
اُتنا سُندر تیرا دھام
تُجھکو ہمارے لاکھوں سلام

دیش اپنے کی شان ہے تُو ہی
دیش اپنے کی آن ہے تُو ہی
دیش اپنے کا مان ہے تُو ہی
تجھ سے دیش کا اونچا نام
تجھکو ہمارے لاکھوں سلام

صدیوں تک لہراتا رہ تُو
اپنی شان دکھاتا رہ تُو
لہرانا ہو بند نہ تیرا
لہرانا ہے تیرا کام
تجھکو ہمارے لاکھوں سلام

آزادی کا دیوتا
مہاتما گاندھی

وہ "ہند" کو آزاد کرانے والا
اَغیار کے پنجے سے چھُڑانے والا
افسوس! صد افسوس! وہ اب ہم میں نہیں
آزادی کی خوشی کو لانے والا

حامی تھا اہنسا کا تشدّد کا عدُو
شمشیر سے مُتنفِر و مُشتاقِ سُبُو
دِلدادہ نہ تھا خوُن خرابے کا وہ
اِک سرپھرے نے اُس کا بہا ڈالا لہُو

لازِم ہے چلیں نقشِ قدم پر اُس کے
لاکھوں ہی تو احسان ہیں ہم پر اُس کے
کیا کیا نہ سہے ظُلم ہماری خاطِر
کیا کیا نہ مُصیبت پڑی دَم پر اُس کے

جب تم پہ ہوئے ظلموں کی یاد آتی ہے
دن رات ہمیں خون وہ رُلواتی ہے
آزادی کی خاطر تھا یہ ایثار ترا
دُنیا تری قربانی کے گُن گاتی ہے

غزل

گلشن نظر فروز حسین لالہ زار ہے
"آئی ہے پھر بہار گلوں پر نکھار ہے"
اللہ! کیوں نہ کوسُوں مَیں اپنے نصیب کو
اُن کو کسی سے پیار مجھے اُن سے پیار ہے
دُنیا کے میکدے میں شرابی نہیں ہے کون
جو بھی ہے اِس جہاں میں وہی مَیگسار ہے
مسجد میں دن کٹے، تو کٹے میکدے میں رات
شیخِ حرم بتا، یہ ترا کیا شعار ہے
اے عشق زندہ باد، ترے لطف و فیض سے
یہ تیرا آزاد آج بھی اُلفت شعار ہے

پنڈت جواہر لعل نہرو

تُو نے دُنیا کو سکھایا کہ اُخوّت کیا ہے
تُو نے عالم کو دِکھایا کہ شُجاعت کیا ہے
تُو نے یہ بھید بتایا کہ حقیقت کیا ہے
تجھ سے معلوم ہُوا رازِ فضیلت کیا ہے

تُو نے پیغام ہمیں اَمن و محبت کا دِیا
تیرے کردار سے رَوشن ہے صداقت کا دِیا

اِس حقیقت سے بھی گُنجائشِ اِنکار نہیں
یہ حقیقت بھی تو پردے کی سزاوار نہیں
بات سچّی ہو تو اِظہار میں کچھ عار نہیں
نہیں مطلق نہیں، ہرگز نہیں، زنہار نہیں

اِس حقیقت کو وہ مانے گا جو فرزانہ ہے
تُو وہ ہستی ہے تری شان جُداگانہ ہے

دستِ قدرت نے عطا کی ہے وہ قدرت تجھ کو
بخشنے والے نے بخشی ہے وہ عظمت تجھ کو
بختِ یاور سے ملی ہے وہ کرامت تجھ کو
دیکھ کر رہبرِ اربابِ شجاعت تجھ کو
آن کی آن میں سب طور بگڑ جاتے ہیں
پاؤں میداں سے حریفوں کے اکھڑ جاتے ہیں

تُو نے ہر رنج کو تمہیدِ مسرّت جانا
قوم کے درد کو سرمایۂ راحت جانا
خدمتِ ملک کو تعبیرِ سعادت جانا
اہلِ معنی نے تجھے معنئ حکمت جانا
واقعی قوم جو ہے زندہ ترے فیض سے ہے
نام اِس دیش کا تابندہ ترے فیض سے ہے

سنہ ۱۹۷۵ء

دیوی اِندرا کو شردھانجلی

اندرا کے واسطے یہی شردھانجلی ہے خوب
غافل نہ ہوں کبھی بھی ہم اندرا کی یاد سے

ہم امن کی فضا کو مکدّر نہ ہونے دیں
یعنی کہ دُور تر رہیں جنگ و فساد سے

مذہب کوئی بھی ہو کریں ہم اُس کا احترام
باہم یگانگت ہو، رہیں اتّحاد سے

آپس میں کھِلکھِلا کے ملیں، جِس گھڑی ملیں
دُنیا کو ہم دِکھائی دیں خوشنود و شاد سے

بھائی سمجھ لیں اُن کو مِلیں زندگی میں جو
پُوچھیں نہ یہ ہیں کونسی نَسل و نژاد سے

دِل میں ہراِک کے جذبۂ اُلفت ہو موجزن
نفرت کریں ہمیشہ ہی بُغض و عناد سے

ندرا کے واسطے یہی شردھانجلی ہے خوب
ے راز یہ مِلی ہے کِسی بامُراد سے

اِندرا گاندھی

اِک امن کا پیغام سُنانے والی
بھٹکوں کو رہِ راست پہ لانے والی
اِندرا ہی تو ہے ہستیٔ باعزم و عمل
اِس دیش کو مضبوط بنانیوالی

دِن بھر یونہی بیکار سے بیٹھے نہ رہو
"ہم کچھ نہیں کر سکتے" کبھی یہ نہ کہو
مضبوط بنو، کام لو ہمّت سے تُم
اِندراجی کے ہاتھوں کو مضبوط کرو

ہمارے وزیرِ اعظم

راجیو ہمارے ہیں وزیرِ اعظم
بھارت پہ کرے حملہ، ہے کس میں دم خم
کھائے گا وہ مُنہ کی جو اِدھر دیکھے گا
لہرائے گا دُنیا میں ہمارا پرچم

اے رازؔ یہی کہتا ہوں میں لاکھ کی بات
بھُولو نہ اِسے، یاد رکھو تُم دِن رات
سب تفرقے آپس کے مِٹا کر اِک دَم
مضبُوط ہمیں کرنے ہیں راجیو کے ہاتھ

یک جہتی

یک جہتی کی خُوبی یہ نظر اپنی ہے
یک جہتی سے ہر شام و سحر اپنی ہے
یک جہتی سے ہر معرکہ میں بھی اے رازؔ
جیت اپنی ہے بے شُبہ ظفر اپنی ہے

قطعات

کرانتی کاری

شری سکھ دیو اور راج گرو
اے بھگت سنگھ تیرے یاروں نے
ساتھ تیرے ہوئے وطن پہ فدا
جان دے دی کرانتی کاروں نے

تو، ترے دونوں یہ کرانتی کار
چڑھ گئے ہنستے ہنستے سولی پر
نعرۂ انقلاب لب پر تھا
دِل میں تھا اُنکے کوئی خوف نہ ڈر

روزِ جمہور

دِل کُشا بسکہ ہے اے رازؔ یہ روزِ جمہور
شوق سے کیوں نہ منائیں اِسے احبابِ شعور
ہر گلی کوچہ و بازار بنا ہے گُلزار
دیکھنے نکلے اسے صاحبِ مال و نادار

شہر میں گُل یہ اسی دن نے کِھلا رکھا ہے
اپنے احباب کو گھر سب نے بُلا رکھا ہے
دعوتیں ہونے لگیں، انجمنیں جمنے لگیں
جام اُڑنے لگے، شہنائیاں بھی بجنے لگیں
روز و شب کیوں نہ چمکتا نظر آئے یہ چمن
آفتاب و مہِ اُلفت سے منوّر ہے وطن

اِندرا گاندھی

"بزمِ ساز و ادب" کی طرف سے نیو دھلی میں

مُشاعرہ کا۔ مصرعہ ؎

"اے رُوحِ وطن، قوم کی جاں، اندرا گاندھی"

اَے آنِ وطن، شانِ وطن، پیکرِ اقبال
اَے ابرِ خرد، بحرِ ذکا، کانِ خوش اَعمال
مُشتاقِ کرم تیرے ہیں بھارت کے زبوں حال
تُو بہرِ خدا اُن پہ عنایت کی نظر ڈال
اَے رُوحِ وطن، قوم کی جاں، اندرا گاندھی

آما جگہہ دردو اَلَم قلبِ حزیں ہے
کیفیتِ جاں قابلِ اِظہار نہیں ہے
آرام تہہِ چرخ نہ بالائے زمیں ہے
اس بات پہ جیتے ہیں کہ مرنے کا یقیں ہے
اَے رُوحِ وطن، قوم کی جاں، اِندرا گاندھی

اے رشکِ جم و قیصر و اسکندر و دارا
تقدیر کا چکر ہے کہ چلتا ہُوا آرا
قسمت میں جو لکھا ہے مگر درد کا چارا
لے آیا ترے در پہ مقدر کا ستارا

اے رُوحِ وطن، قوم کی جاں، اندرا گاندھی

صد شکر کہ ہم جو ترے دربار میں آئے
الطاف کی، آرام کی سرکار میں آئے
ہم دشت نشیں وادیٔ گلزار میں آئے
پروانہ صفت حلقۂ انوار میں آئے

اے رُوحِ وطن، قوم کی جاں، اِندرا گاندھی

صد شکر کہ ہم کو تری رحمت نے پکارا
آرام و مسرت کا دیا ہم کو اشارا
اب مل ہی گیا ابرِ کرم تیرا سہارا
"دستورِ شہاں است نوازند گدارا"

اے رُوحِ وطن، قوم کی جاں، اندرا گاندھی

۲۶ر جولائی ۱۹۷۵ء

حُبِّ وَطَن

"اے مرے ہند" مری جان رہے یا نہ رہے
کیوں کہوں مَیں کہ ترا مان رہے یا نہ رہے
کیوں نہ مَیں جان فِدا آج وطن پر کر دُوں
کل خدُا جانے مری جان رہے یا نہ رہے
آج ارمان کئی دِل میں لئے بیٹھا ہوں
کیا خبر! کل کوئی ارمان رہے یا نہ رہے
سازو سامانِ وطن کو رکھے محفوظ خُدا
کل کو یہ ساز یہ سامان رہے یا نہ رہے

اے وطن تیرے لئے جان رہے یا نہ رہے
کچھ مری زِیست کا اِمکان رہے یا نہ رہے

ہم پہ جو ساقیٔ قدرت کا یہ فیضان ہے آج
کیا خبر کل کو یہ فیضان رہے یا نہ رہے
زُعم بے کار ہے شہ زور کو شہ زوری کا
کل وہ شہ زور بھی بلوان رہے یا نہ رہے
ہر گھڑی پیار کے رستے پہ چلیں گے ہم لوگ
کوئی اِس راہ پہ ہر آن رہے یا نہ رہے
اِنقلاباتِ زمانہ کے اثر سے اے رازؔ
ہے جو سُلطان، وہ سُلطان رہے یا نہ رہے

بھگوان شری رام چندر جی

ہر گھڑی لب پہ مرے رام کا نام آتا ہے
دِلِ مُضطر مِرا آرام و سُکوں پاتا ہے

رام کو یاد ہر اِک وقت کِیا کرتا ہوں
رام کے نام سے سرمست رہا کرتا ہوں

جاگتے سوتے میں ہے یاد اُسی کی دِل میں
ہے وہی میرا مددگار ہر اِک مُشکِل میں

اُس کے ہی فیض سے آباد ہر اِک بستی ہے
اُس کے ہی مہر سے یہ میری تِری ہستی ہے

وہ نہ چاہے تو ہم اِک پل بھی نہیں جی سکتے
کھا بھی سکتے نہیں کچھ پانی نہیں پی سکتے

پاک اِس دھرتی کو دُشٹوں سے وہ کرنے آئے
دُکھی دِینوں کے وہ ہر کشٹ کو ہرنے آئے

مارا ہر دُشٹ کو راون کا بھی اُدّھار کیا
"پاپ ساگر" میں پڑے تھے جو اُنھیں پار کیا

دیوالی

راون کو مار کر شری رام کا ایودھیا میں آنا۔

مارا راون کو تو سب راج بھبھیکن کو دیا
بھیجا لچھمن کو کہ لے آئیں وہ خود جا کے سیا
سیتا جی آئیں تو لی اگنی پریکشا اُن کی
گھروں کو لوٹنے کی سب کو اجازت دیدی
سیتا و رام و لکھمن آپ ایدھیا کو چلے
ساتھ سگریو، ہنومان، بھبھیکن بھی تھے
یوں تو ہنومان سے بولے کہ تم آگے جاؤ
میرے آنے کی ایدھیا میں خبر پہنچاؤ
کاٹ کر چودہ برس بن سے ہوئے واپس رام
خوش ہوئے، جھوم گئے باسی ایدھیا میں تمام
خود بھرت اُٹھے سری رام کو لینے آئے
کر کے پرنام سری رام کے درشن پائے
دیپ روشن ہوئے ہر گھر میں ہوئی دیوالی
کھل گیا باغ ایدھیا کا جو آیا مالی

بھگوان پَرشُورام

ایک اوتار پَرشُورام جی تھے
کرانتی کاری تھے اور تپوی تھے
بڑھ گئے جب کہ حد سے اُتیاچار
اُس گھڑی آپ کا ہُوا اوتار
رِشی جمد اگنی کے بیٹے تھے
باہوں میں ایک بَل سمیٹے تھے
کتنے ہی ظالموں کو ناش کیا
غُصّے میں جب اُٹھا لیا پرسا
رینوکا جی تھیں آپ کی ماتا
حُکم غصّے میں جب پِتا نے دِیا
کاٹ دو سَر تم اپنی ماتا کا
رام نے حُکم باپ کا مانا

رشی جمد اگنی نے خوش ہو کر
کہا بیٹے کو مجھ سے مانگو وَر
وَر یہ مانگا کہ جی اُٹھے ماتا
ہو نہ کوئی مِرے مُقابِل کا
رشی نے راآز دے دیئے وردان
جن سے قائم ہے پرشو رام کی شان

غزل

تمہیں ہر گھڑی مہرباں کہتے کہتے
ہوئی چپ بالآخر زباں کہتے کہتے
جنھوں نے کیا تھا کہانی کا آغاز
وُہی اُٹھ گئے داستاں کہتے کہتے
ذرا سامنے آؤ کہتے رہے ہم
تھکی کب ہماری زباں کہتے کہتے
یہ کہتے رہے ہم کوئی تو ہو اپنا
ہوئی ختم عمرِ رواں کہتے کہتے
مدد کی نہ اُس نے ہمیں تھک گئے راآز
مدد، المدد آسماں کہتے کہتے

ہندو و سِکھ ایک ہیں

بات میری ٹھیک مانیں، ہندو و سِکھ ایک ہیں
ایک اِن دونوں کو جانیں، ہندو و سِکھ ایک ہیں
بات یہ اچھی نہیں بھائی کرے بھائی کو قتل
دِل میں ہم ایسی نہ ٹھانیں، ہندو و سِکھ ایک ہیں
پھینک دیں سب خنجر و شمشیر، نیزے پھینک دیں
برچھیاں باہم نہ تانیں، ہندو و سِکھ ایک ہیں
سونتی تلواروں کو رکھ دیں اور مِل جائیں گلے
مفت میں کیوں جائیں جانیں، ہندو و سِکھ ایک ہیں
اِس سے بڑھ کر راز کیا ہوگی شہادت اور کچھ
کہتی ہیں نانک کی تانیں، ہندو و سِکھ ایک ہیں

تاریخی نغمۂ دِلکشا

بہ عقیدت و ارادت اُستاذی قبلہ ساحرؔ ہوشیارپوری

کی نذر۔ "بزمِ ادب فرید آباد" کی طرف سے۔

"ایک شام، ساحرؔ ہوشیارپوری کے نام"

دِن آیا مسرّت کا عِشرت کی گھڑی آئی
دیتی ہے پتہ اِس کا۔ بجتی ہُوئی شہنائی
ہم خوش ہیں مُرادِ دِل تقدیر بر آئی
پھر "بزمِ ادب" کی یہ بجنے لگی شہنائی
جو آتا ہے یہ اُس کی کرتی ہے پذیرائی
جاں بخش و دِل افزا ہے چلتی ہُوئی پُروائی
محفل میں مُسلّط ہے، اِک عالمِ برنائی
اے رازؔ ہُوا ہے خوش، سُن کر دِلِ شیدائی
ناچا، کبھی اُچھلا ہے، جب اُس نے خبر پائی
ہے ساحرِ ساحر کی یہ شام غزل آئی

۱۹۸۵ء

۲۲ر اپریل سنہ ۸۵ء

دِل سے باتیں

اِتنا تو بتا مجھ کو، تُو اَے دِلِ دیوانہ
کیا ہو گئے وہ تیرے اندازِ قدیمانہ
بچپن سے ترا کل تک مجھ سے رہا یارانہ
کیوں آج ہے برگشتہ، کیوں آج ہے بیگانہ
تُو ہے مرے پہلو میں، گویا نہیں پہلو میں
تُو ہے مرے قابو میں، گویا نہیں قابو میں

بجلی جسے کہتے ہیں، ایسا ترا خاصا ہے
بیتاب ہے، بیکل ہے، مضطر ہے، تڑپتا ہے
ہر دم تری رگ رگ سے اک درد ٹپکتا ہے
کچھ کہہ تو سہی آخر، یہ تجھ کو ہوا کیا ہے
برباد نہ کر مجھ کو، اِس دردِ نہانی سے
یہ سن ہے جوانی کا، یہ دن ہیں جوانی کے

ہاں اَے دِلِ وارفتہ، ہاں اے دِلِ سَودائی
اب کیوں نہیں اگلی سی ہُشیاری و دانائی
کُچھ روز اگر تیری یونہی رہی خودرائی
ہو جائیگی بدنامی، ہو جائیگی رُسوائی

کہنا ہی نہیں سُنتا، کیونکر تجھے سمجھاؤں
کیا ضِد ہے تری آخر کیونکر تجھے بہلاؤں

مَعلوم یہ ہوتا ہے، تُو قیدیٔ اُلفت ہے
تجھ پر کسی جلوے کی ڈھائی ہوئی آفت ہے
اِس سوزشِ پیہم کا مُوجب غمِ فُرقت ہے
جو تجھ کو ستاتی ہے، وہ دِید کی حسرت ہے

یہ امر ہے لاحاصل، مجبُور نہ کر مجھ کو
اے دِل، مرے پیارے دِل، مجبُور نہ کر مجھ کو

مانا وہ مرے کہنے سے آئیں تو کیا ہو گا؟
یا اپنے یہاں مجھ کو بُلوائیں تو کیا ہو گا
آنکھوں سے اگر آنکھیں لڑ جائیں تو کیا ہو گا
یہ سب سہی، لیکن وہ شرمائیں تو کیا ہو گا

رہ جائے گا مُنہ تک کر چھا جائیگی خاموشی
لب تک بھی نہ آئے گی، فریادِ ستم کوشی

رُوداد شبِ غم کی کون اُن کو سُنائے گا
میں کہہ نہ سکوں پھر کیا تو آپ بتائیگا
ڈر ہے کہ فلک مجھ کو یہ دِن نہ دکھائیگا
سب کہنے کی باتیں ہیں، کون آئیگا جائیگا

مجھ تک وہ چلے آئیں، کب ایسی غرض اُن کو
یا مجھ کو وہ بُلوائیں، کب ایسی غرض اُن کو

تُو یاد میں مرتا ہے، وہ یاد نہیں کرتے
تُو ہجر میں غمگیں ہے، وہ شاد نہیں کرتے
کر صبر، کہ حال اِتنا، برباد نہیں کرتے
عُشّاق جو ہوتے ہیں، فریاد نہیں کرتے

یُوں ہو کے پریشاں تُو مجھ کو نہ پریشاں کر
گر وصل کی خواہش ہے، ضبطِ غمِ ہجراں کر

کشمیر میں ایک رات

آنکھوں سے پلاتا تھا اِک ساقیٔ مستانہ
درکار نہ تھا شیشہ، بیکار تھا پیمانہ
محدود فقط ہم تک تھا جلوۂ جانانہ
دوہرا نہ سکیں گے ہم حالت جو ہماری تھی
کشمیر میں ہم نے بھی، اِک رات گذاری تھی

اُن کالی سیہ زُلفوں میں گال شہابی سے
اور مد بھری آنکھوں میں کچھ ڈورے گلابی سے
مخمور جوانی کے انداز شرابی سے
ہر ترچھی نظر اُس پر اِک تیز کٹاری تھی
کشمیر میں ہم نے بھی اِک رات گذاری تھی

ہونٹوں پہ تبسم کچھ، آنکھوں میں شرارت کچھ
بیباک نگاہوں میں انداز شرافت کچھ
کچھ قہقہے ہلکے سے اور گاہے تھی حیرت کچھ
ہر ناز دل آزار تھا، ہر بات ہی پیاری تھی
کشمیر میں ہم نے بھی اِک رات گذاری تھی

مستانہ نگاہوں میں آباد تھے میخانے
وہ نرگسی آنکھیں تھیں چھلکے ہوئے پیمانے
دیوانے تھے ہم اُن کے وہ اپنے تھے دیوانے
اِک کیف کی حالت تھی جو دونوں پہ طاری تھی
کشمیر میں ہم نے بھی اِک رات گذاری تھی

بیٹھے تھے پشیماں سے وہ اپنی جفاؤں پر
محجوب نگہہ ہم پر، اُٹھی بھی تو رہ رہ کر
آئی تھی حیا بن کر سُرخی رُخِ انور پر
ہر ایک اَدا اُن کی مرغوب تھی پیاری تھی
کشمیر میں ہم نے بھی اِک رات گذاری تھی

انوار کی بارش تھی ہر جلوۂ جانانہ
پھر خلوتِ رنگیں میں وہ جراُتِ رندانہ
ہم کہہ ہی نہیں سکتے اُس رات کا افسانہ
اُس رات تو ہر مشکل آسان ہماری تھی
کشمیر میں ہم نے بھی اِک رات گذاری تھی

کل ملنے کے وعدے پر کیا کچھ نہ کہا اُن سے
اس پر بھی تو ہو پایا وعدہ نہ وفا اُن سے
دِل میں ہیں سہ شرمندہ اچھا نہ ہوا اُن سے

آغازِ محبت میں تقصیر یہ ہماری تھی
کشمیر میں ہم نے بھی اک رات گذاری تھی

دن رات ہمارے تھے کچھ روز کی یاری تھی
آغاز دل افزا تھا، انجام میں زاری تھی
اس خواب جوانی کی تعبیر خماری تھی

یوں مل کے بچھڑ جانا تقدیر ہماری تھی
کشمیر میں ہم نے بھی اک رات گذاری تھی

مہجور کی برسات

اُٹھائے میکدے کے میکدے کالی گھٹا آئی
پھواریں ہلکی ہلکی ہیں پیامِ ناشکیبائی
مِرے دل کو جلانے کے لئے ٹھنڈی ہَوا آئی
دلِ بیتاب و مُضطر نے خبر آلام کی پائی
دلِ غمگیں کی ہر دھڑکن ترا ہی نام رٹتی ہے
تُو کیا جانے کسی کی کس طرح برسات کٹتی ہے

حَسینانِ چمن موسم نے مَستِ حال رکھے ہیں
پری زادوں نے جھولے ڈالیوں پر ڈال رکھے ہیں
یہ کِن کے واسطے جادُو چمن نے بھال رکھے ہیں
یہ کن بنگالنوں نے ایسے ساحر بال رکھے ہیں
گلے میں ہر کسی کے ناگ کی مالا لٹکتی ہے
تُو کیا جانے کسی کی کس طرح برسات کٹتی ہے

چلے شاخ ثمرور کی طرح جھک جھک کے مستانے
جھکی مینا کی گردن اور گردش میں ہیں پیمانے
تری سج دھج کی نقلیں کر رہے ہیں آج میخانے
مگر مجھ پر گذرتی ہے جو تجھ بن، وہ خدا جانے

لہو کے گھونٹ پیتا ہوں طبیعت جب اُچٹتی ہے
تو کیا جانے کسی کی کس طرح برسات کٹتی ہے

نہ پوچھ اے میری محبوبہ کہ کیسے دن گذاری کی
گذاری بیقراری میں گھڑی ہر بیقراری کی
جو رات آئی تو سوجھی رات کو اختر شماری کی
مگر چلمن پہ چلمن آپڑی ابرِ ملہاری کی

کٹی آنکھوں میں شب ساری کہ کب گھونگھٹ اُلٹتی ہے
تو کیا جانے کسی کی کس طرح برسات کٹتی ہے

چلے پانی میں ایک کاغذ کی کشتی چھوڑ دیتا ہوں
جدھر بھی چاہتا ہوں راز اُدھر ہی موڑ دیتا ہوں
خیالوں میں خیالی اس کے لنگر توڑ دیتا ہوں
میں طغیانی سے اس نیّا کا رشتہ جوڑ دیتا ہوں

بچانے دوڑتا ہوں جب وہ لہروں میں ڈبکتی ہے
تو کیا جانے کسی کی کس طرح برسات کٹتی ہے

ہندوستان کے ہوا باز

یہ جام و سُبو کو ہیں توڑے ہوئے
یہ میخانے سے مُنہ ہیں موڑے ہوئے
یہ رشتہ وطن سے ہیں جوڑے ہوئے
یہ عیش و طرب کو ہیں چھوڑے ہوئے
یہ ہندوستاں کے ہوا باز ہیں

اُڑانوں کو تیار رہتے ہیں یہ
بہر گام ہُشیار رہتے ہیں یہ
جو ہو رات، بیدار رہتے ہیں یہ
ہو دِن تو پئے کار رہتے ہیں یہ
اُڑانوں کے یا دان کو انداز ہیں

ایئر فورس کی گولڈن جوبلی کا مشاعرہ۔

نہیں کم کسی سے شجاعت میں یہ
مقابل سے بڑھ کر ہیں طاقت میں یہ
کسی کو نہ رہنے دیں ہمت میں یہ
کسی کو نہ بڑھنے دیں جرأت میں یہ
عجب ان کے اطوار و انداز ہیں

نہیں خوفِ دشمن، اگر کم نہیں
کہ جسموں میں اُن کے ذرا دم نہیں
یہی کہتے ہیں یہ' ذرا غم نہیں
ڈریں دشمنوں سے جو وہ ہم نہیں
غنیموں پہ بارود انداز ہیں
"یہ ہندوستاں کے ہوا باز ہیں"

۲ر اکتوبر سنہ ۸۲ء

ڈائمنڈ جوبلی

بموقعہ جشنِ الماسی پیارے لال بھون نیو دھلی

راشٹرپتی بھون اشوک ھال، نیو دھلی۔

بہ عزت عالیجناب۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر۔

چل رہی ہے جو آج پُروائی
کس قدر دِل کشا خبر لائی
جشنِ الماسیٔ سحر ہے آج
دیدہ ور مرکزِ نظر ہے آج
فرشِ خاکی پہ عرش جاہ ہیں آپ
راندۂ دہر کی پناہ ہیں آپ
شہرہ آفاق آپ کی ہے سخا
آپ ہیں دست گیرِ عجزِ گدا
لاکھوں خوانِ کرم پہ پلتے ہیں
لاکھوں کے کاروبار چلتے ہیں
بے گماں ہیں یہ حاتمِ ثانی
یا کرن وِیر سے ہیں اک دانی

شعر و شاعر نواز بھی ہیں آپ
نغمہ خواں، نغمہ ساز بھی ہیں آپ۔
واجد و بے نظیر و یکتا ہیں
فنِ شعر و سخن میں پختہ ہیں
ناز کرتی ہے شاعری اِن پر
آج ان کا کوئی نہیں ہمسر
حق میں اِن کے دُعائے خیر کرو
رازؔ انھیں جشن کی مُبارک دو

۲۲، دسمبر ۱۹۸۸ء

قطعات

آج کیا ہو گیا زمانے کو
کِس قدر ہو گیا سفید لہُو
بڑھ رہا ہے جہیز کا لالچ
جَل رہی ہے ہر ایک گھر میں بہُو

کِس قدر ہیں کمینے آج کے لوگ
پہلے بیٹے کو بیاہ لیتے ہیں
جِس بھی سمدھی نے کم جہیز دیا
اُس کی بیٹی کو مار دیتے ہیں

Y.M.C.A کا مشاعرہ "جہیز کی بُرائی میں" نظام الدین ہال نیو دہلی۔

مجھ سے اے طالبِ جہیز یہ سُن
خوار کردے گی یہ جہیز کی مانگ
چرچا ہوتا رہے گا دُنیا میں
تیری بے غیرتی کا چاروں وانگ

دیکھ اپنی بھی حیثیت ناداں
مانگ پھر گلشنِ جہیز کے پھُول
دے سکے گا تُو اپنی بیٹی کو؟
تیری عزّت پہ پڑ نہ جائے دھُول

کس لئے رسم یہ رہے جاری
بند کرنے کا اہتمام کرو
اے ہمارے وطن کے نیتاؤ
رازؔ کی مانو، نیک کام کرو

---

۲۴ ستمبر ۱۹۸۳ء

قطعات

چرچ آف نارتھ انڈیا مشاعرہ۔
حضرت مسیح کی پیدائش پر
(فری چرچ) پارلیمنٹ اسٹریٹ، نیو دہلی۔

اِک سِتارہ عجیب جب اُبھرا
آسماں پر نجومیوں نے کہا
رُوحِ اِلٰہ، یا کہ اِبنِ خُدا
بطنِ مریمؑ سے ہو گیا پَیدا

اِس سِتارے کی رہنمائی میں
سجدہ کرنے کو لوگ آپہنچے
اور کہتے ہیں، کچھ گڈریے بھی
بہرِ سجدہ وہاں پہ جا پہنچے

اپنے سجدوں کو جب ادا کر کے
اپنے تحفے لگے وہ گذارنے
دیکھ شاداں ہوئی مریمؑ
کر لئے سب قبول نذرانے

آج خوش خوش ہے مادرِ مریمؑ
ہوئی پُر نور اُس کی انگنائی
کھلکھلا اُٹھے حضرتِ داؤدؑ
اُن کے دِل کی مُراد بر آئی

آؤ، اے عاصیو! اِدھر آؤ
آؤ، اے خاطیو! اِدھر آؤ
بخشوائے گا ہر خطا عیسےٰ
آؤ، اے پاپیو! اِدھر آؤ

ظلمتِ کفر ہو گئی کافور
نورِ حق نے وہ جلوہ دِکھلایا

بن گئے ہو مرے جو تم اے رازؔ
میں تمہارا ہوں اُس نے فرمایا

جنم دِن آج ہے مسیحا کا
گُلشنِ دِل کے غُنچے کھِلتے ہیں
دے رہے ہیں بہم مُبارکباد
یارؔ یاروں سے آ کے ملتے ہیں

---

۱۸ دسمبر ۸۳ء

ڈائمنڈ جوبلی

اُستاذی محترم، نباضِ سخن، نجم الشعرا، شاعرِ خوش کلام

شہریارِ سخن پروفیسر بخشی اختر امرتسری (جانشین حضرت رونق

دہلوی) کی خدمت میں عقیدتمندانہ رُباعی۔

ڈائمنڈ جوبلی لہنا سنگھ مارکیٹ نیو دھلی میں منائی گئی۔

نام آوری رونق و ایمن کے امیں
اے عظمت و توقیر کی خاتم کے نگیں
خوش ہوں ترے خدام میں ہے نام مرا
دائم ترے سجدے میں رہے میری جبیں

خدمت میں سیکھنے کو جو آتے ہیں آپ کی
ہر دم خدا سے خیر مناتے ہیں آپ کی
مطرب غزل جو گاتے ہیں گاتے ہیں آپ کی
اہلِ جہاں کو فکر سُناتے ہیں آپ کی
جو مانتے ہیں قبلہ و کعبہ، جناب کو
سجدے کو آستاں پہ وہ آتے ہیں آپ کی

حُسنِ عقیدت اُن کا ہے بے شبہ دِیدنی
جو صُبح و شام جوت جگاتے ہیں آپ کی

بحرِ سُخن سے اپنا سمجھتے ہیں بیڑا پار
خود پر نظر کرم کی جو پاتے ہیں آپ کی

جِن کو خلوصِ دِل سے اِرادت ہے آپ سے
ماتھے پہ خاکِ پا وہ لگاتے ہیں آپ کی

کہتا ہے راز آپ پچھتر کے ہو گئے
ہم "ڈائمنڈ جوبلی" مناتے ہیں آپ کی

---

۵ مئی ۸۴ء

ڈائمنڈ جوبلی

بخدمتِ گرامی اُستادی جنابِ ساحر ہوشیارپوری

اُن کی ۷۵ ویں سالگرہ (جشنِ الماسی) اور ۷۵ سالہ ادبی

خدمات کے اعتراف میں "ممتاز الشعراء" کا خطاب پانیکے موقع پر

لے کر خبر یہ آیا ہے جھونکا نسیم کا
روزِ ولادت آج ہے خضرِ کریم کا

گُل ریز ہیں نہال، ہوائیں ہیں عطر بیز
مہکا رہا ہے باغ کو موجہ شمیم کا

ماضی و عہدِ حال نُما آپ کا کلام
شیرازہ ہے یہ رنگِ جدید و قدیم کا

پایا خطاب "شاعرِ ممتاز" آپ نے
لائق ہے اور کون ہے خطابِ عظیم کا

یہ جشن، یہ خطاب، مُبارک ہو آپ کو
ہے راز بندہ آپ کے بیت و حریم کا

یہ دن مسرتوں کا ہے آتا رہے یونہی
ہر ایک دوست اِس کو مناتا رہے یونہی

رُباعی

ساحرؔ ہے خوش فکر سبھی جانتے ہیں
اِک شاعرِ افضل اُسے گردانتے ہیں
اے رازؔ مجھے ناز ہے اُستادی پر
سب لوگ اُسے سُلطانِ غزل مانتے ہیں

غزل

مرے قلب میں جاگزیں تُم ہو دِلبر
دِل افروز ہو دِل نشیں تُم ہو دِلبر
تمہیں سے یہ دُنیا ہے گلزارِ جنّت
بجا ہے کہ خُوروزہیں تُم ہو دِلبر
تمُہاری طرف ہیں زمانے کی نظریں
"زمانے میں سب سے حسیں تُم ہو دِلبر"
بہت کم خرد ہم ہیں کوتاہ بیں ہیں
بڑے زیرک و دوُر بیں تُم ہو دِلبر
الگ گردِشِ وقت نے کر دیا ہے
کہیں رازؔ ہے اب کہیں تُم ہو دِلبر

بہار

مژدۂ رُوح فزا بادِ صبا لائی ہے
نئے انداز سے پھر فصلِ بہار آئی ہے
ہر شجر اپنی جگہ پیکرِ رعنائی ہے
ہر گل و برگ پہ مستی کی ادا چھائی ہے
بُلبُل و قُمری و طوطی کی نوا ہے دِل کش
سُنبل و سوسن و نرگس کی ادا ہے دِل کش

مست ہیں کیفِ مسرت سے جوانانِ چمن
سازِ پُر نغمہ ہیں مُرغانِ خوش الحانِ چمن
حسنِ جاں بخش سے معمور ہیں دامانِ چمن
مظہرِ شانِ خُدا ہے بخدا شانِ چمن
گُل کھِلے جاتے ہیں غنچوں نے قبائیں بدلیں
مژدہ اے دِل! کہ زمانے نے ہوائیں بدلیں

نشہ میں چوُر ہے گلزار کا ذرّہ ذرّہ
پیکر نوُر ہے گلزار کا ذرّہ ذرّہ
مست و مخموُر ہے گلزار کا ذرّہ ذرّہ
غیرتِ طور ہے گلزار کا ذرّہ ذرّہ

ایک بجلی سی نگاہوں میں چمک جاتی ہے
تابِ نظّارہ کہاں آنکھ جھپک جاتی ہے

صحنِ گلشن پہ ہی موقوف نہیں شانِ بہار
کوہ و صحرا بھی ہیں شرمندۂ احسانِ بہار
ذرّہ ذرّہ ہے بیاباں کا ثنا خوانِ بہار
سایہ افگن ہے جدھر دیکھیئے دامانِ بہار

کیوں نہ خوشبو سے معطّر ہو دماغِ عالَم
غیرتِ گلشنِ فردوس ہے باغِ عالَم

تیرے قرباں میں اے ساقیٔ گلفام پلا
مائلِ بادہ کشی ہے دلِ ناکام، پلا
مئے عشرت کا چھلکتا ہوا اِک جام پلا
جس سے غم دُور ہوں وہ دافعِ آلام پلا

بادۂ لُطف سے بھر دے مرے پیمانے کو
عمر بھر دوُں گا دُعائیں ترے میخانے کو

شراب

(شری گورو نانک دیو جی مہاراج اور شہنشاہ

بابر کی گفتگو شراب سے متعلق)

شاہ نے پیش گرو جام بڑھا کر یہ کہا
جلوۂ بادۂ گلفام دِکھا کر یہ کہا
مست و مخمور نگاہوں کو اُٹھا کر یہ کہا
کیف میں جھوم کے اور وجد میں آ کر یہ کہا
نوش فرما، کہ یہ ہے جامِ سرور اَے بابا
دعوتِ رِند ہو مقبولِ حضور اے بابا

ساغرِ بادۂ گلفام مِرے ہاتھ میں ہے
ساقیٔ لطف کا انعام مِرے ہاتھ میں ہے
ہاں! علاجِ دِلِ ناکام مِرے ہاتھ میں ہے
بیخودی جام میں ہے جام مِرے ہاتھ میں ہے
بیخودی اِس میں، مزا اس میں، سرور اِس میں ہے
چشمِ مے کش کے لئے جلوۂ طور اِس میں ہے

آپ نے دستِ مبارک کو اُٹھا کر یہ کہا
صورتِ ابرِ کرم بزم پہ چھا کر یہ کہا
رُخِ ساقی پہ نگاہوں کو جما کر یہ کہا
مستیٔ عشق کے انداز میں آ کر یہ کہا

رکھ اسے مستِ مئے عشق سے دور اے بابر
ہم کہاں اور کہاں جامِ بلور اے بابر

صحبتِ ساقیٔ میخانہ، مبارک تجھ کو
گردشِ ساغر و پیمانہ مبارک تجھ کو
لطف کا، عیش کا افسانہ، مبارک تجھ کو
یہ ترا مشربِ رندانہ، مبارک تجھ کو

اصل جو مے ہے وہ اصلا ترے ساغر میں نہیں
میزبانی کا شرف تیرے مقدر میں نہیں

خام ہے اس کا نشہ، منہ نہ لگا کافر کو
زہرِ جاں اس کا مزا، منہ نہ لگا کافر کو
عقل کر، ہوش میں آ، منہ نہ لگا کافر کو
حذر، اے مردِ خدا، منہ نہ لگا کافر کو

عقلِ انساں کی اسے دشمنِ جانی کہیئے
مختصر یہ کہ قیامت کی نشانی کہیئے

زہر کے گھونٹ شرابی کو پلا دیتی ہے
نفسِ امّارۂ مُردہ کو جِلا دیتی ہے
قصرِ اَخلاق کی بُنیاد ہلا دیتی ہے
آبرُو خاک میں انساں کی مِلا دیتی ہے

جڑ ہے آفت کی، مُصیبت کی، تباہی کی شراب
تجھ کو پینی ہے تو پی عشقِ الٰہی کی شراب

اُڑ گئی ناز کی بُو، آنکھ کھُلی بابر کی
مِٹ گئی کِبر کی خُو، آنکھ کھُلی بابر کی
چھُٹ گئے جام و سبُو، آنکھ کھُلی بابر کی
سُن کے تقریرِ گُرو، آنکھ کھُلی بابر کی

جھٹ اُٹھا، اُٹھ کے بڑھا، بڑھ کے قدم چُوم لئے
جب قدم چُوم چُکا دستِ کرم چُوم لئے

غزل

سُبوئے زر میں پلاؤ، نہ ظرفِ قاز میں تم
شراب ڈالو مرے کاسۂ نیاز میں تم

ہر ایک سجدہ میں نُورِ خدا نظر آئے
شراب خانے کی آؤ اگر نماز میں تم

شراب کہتے ہیں جو اُن کو یہ پتہ ہی نہیں
کہ جلوہ گر ہو مرے ساغرِ گداز میں تم

تُم آئے کیا کہ یہاں حشر ہو گیا برپا
"قیامت آ گئی جب آ گئے مجاز میں تم"

اُٹھا جو حشر، تمہارا وہ کیا بگاڑے گا
خود ایک حشر ہو عہدِ شباب و ناز میں تم

تُم اپنے چاہنے والوں کو کیا کرو گے خوش
کہ مست رہتے ہو صہبائے حُسن و ناز میں تم

نمازیوں کے بھی چہروں پہ نُور آ جائے
شرابِ دید پلا دو صفِ نماز میں تم

جو چاہتے ہو کہ آ جائے رنگ بر محفل
شراب ڈال دو تھوڑی سی جامِ راز میں تم

غزل

تیرا کیا جاتا، جو مِلتا جامِ ریحانی مجھے
مے کے بدلے ساقیا تُو نے دیا پانی مجھے

مے گساری میں وہ اب پہلی سی کیفیت نہیں
دے دیا ساقی نے کیا بے کیف سا پانی مجھے

اب کسی مشروب سے دِل چین پا سکتا نہیں
کاش وہ آ کے پِلا دے تیغ کا پانی مجھے

دے دیا ساقی نے بھر کر مجھ کو بھی جامِ شراب
مَیں تو کہتا ہی رہا "پانی مجھے" "پانی مجھے"

اُس کو جانوں یارِ مُخلص، اُس کو مانوں غم گسار
جو پِلا دے رنج میں کُلفت رُبا پانی مجھے

چل پڑیں سانسیں، دھڑکنے لگ گئی نبضِ حیات
کیا کِسی نے دے دیا انگور کا پانی مجھے

وہ تپ غم ہے کہ سُوکھے ہیں لب و کام و دَہن
کاش آ کر وہ پِلائیں دِید کا پانی مجھے

پی رہا ہُوں شوق سے اے رازؔ جسکو آج تک
ایک دِن آخر ڈبو دے گا وُہی پانی مجھے

غزل

جب سے دیکھی ہے کسی حُسن کے دَر کی صُورت
ہم نے پھر دیکھی نہ بھُولے سے بھی گھر کی صُورت

غَیرتِ شمس و قمر تُو ہے، تِری دِید کے بعد
پھر نہ دیکھے گا کوئی شمس و قمر کی صُورت

اِنقلاباتِ زمانہ کے طُفیل اَے بُلبُل
"گُل نہ پہچان سکے گی گُلِ تَر کی صُورت"

روز و شب، صُبح و مسا، کونسی ہستی ہے جسے
ڈھُونڈتے پھرتے ہیں ہم شمس و قمر کی صُورت

ہر گھڑی پا بہ سفر، پا بہ سفر، پا بہ سفر
زِندگی ہم نے گذاری ہے سَفر کی صُورت

کبھی افسُردہ دِلی پاس نہ آئی اپنے
ہم زمانے میں رہے ہیں گُلِ تر کی صُورت

عِشق نے کر دِیا آوارہ و برباد ہمیں
پہلے دیکھی ہی نہ تھی ہم نے سفر کی صُورت

رازؔ اُس شوخ کی اِس شعبدہ بازی کے نثار
آنا بِجلی کی طرح، جانا نظر کی صُورت

غزل

پینے والے ہیں، ہمیں عشق ہے پیمانے سے
پُوچھتے کیا ہو، چلے آتے ہیں میخانے سے

تشنگی اور بھی بڑھ جاتی ہے ہر میکش کی
آنکھ لڑ جاتی ہے جب بزم میں پیمانے سے

جام و ساغر سے نہیں کچھ بھی غرض اے ساقی
ہم تو پیتے ہیں تری آنکھ کے پیمانے سے

ترکِ بادہ کی ہے تلقین عبث اے ناصح
کب سمجھتے ہیں یہ میکش ترے سمجھانے سے

مُغبچہ ہے کہ ہے ساقی، کہ ہے وہ پیرِ مغاں
دیکھئے کس نے پُکارا مجھے میخانے سے

بزمِ احباب میں چھا جاتی ہے مستی ہر سُو
کوئی پیمانہ جو ٹکراتا ہے پیمانے سے

جس کو کہتے ہیں شراب، اُس کے ہیں پیاسے ہم لوگ
پی ہی جاتے ہیں، ملے جتنی بھی میخانے سے

وقت پینے کا ہے اے رازؔ چلے بھی آؤ
روز آواز یہی آتی ہے میخانے سے

"دُھکا ہُوا ہے آتشِ گُل سے چمن تمام"
اللہ! جل نہ جائیں کہیں گُلبدن تمام

اے ساقیٔ کریم! یہ تاخیر کس لئے
پیاسی تڑپ رہی ہے تری انجمن تمام

باغوں میں آگ جھونک دی فصلِ بہار نے
گُلخن دکھائی دیتے ہیں اب تو چمن تمام

ساقی پلادے جامِ شرابِ خُنک مجھے
جل بھُن رہا ہے آج مرا تن بدن تمام

ہر کُشتۂ فراق کی دلجوئی کے لئے
تاروں سے ہے سجا ہُوا شب کو گگن تمام

اُس حُسنِ آہُو چشم کی رفتار دیکھ کر
بھُولے قلانچ بھرنا غزالِ ختن تمام

گُلشن میں کس کی زُلفِ مُعنبر ہے کھُل گئی
خوشبُوؤں سے جو مہکا ہُوا ہے چمن تمام

سُننا اگر ہے نغمۂ بُلبُل، تو باغباں
باہر نکال باغ سے زاغ و زغن تمام

منزل پہ راز قافلہ پہنچے تو کس طرح
جو راہبر بنے ہیں، وہ ہیں راہزن تمام

غزل

وہ محفل جس کی رونق مُرشدِ کامل نہیں ہوتا
وہاں لُطف و سُرُورِ حاضری حاصل نہیں ہوتا

یہی اِنسانیت ہے دُوسروں کے کام آجانا
نہیں آتا جو کام، اِنسانوں میں شامل نہیں ہوتا

جسے مُرشد کی برکت سے ملے دَولت عبادت کی
جہاں کے سیم و زر پر اُس کا دِل مائل نہیں ہوتا

تُمہارے دَر پہ جو آیا، رہا دَر پر تمہارے ہی
جو ایماں تُم پہ لائے، غیر کا قائل نہیں ہوتا

کرم جس پہ جو مُرشد کا، چلا آئے حضوری میں
اُسے خوشحال کر دینا، انھیں مُشکل نہیں ہوتا

دِلِ مُرشد کو خوش کر اے مُرید اپنی حلیمی سے
کسی مغرور سے خوش مُرشدِ کامِل نہیں ہوتا

ترے لُطف و کرم پر کیوں نہ قُرباں رازؔ ہو جائے
ترے لُطف و کرم سے یہ کبھی بے دِل نہیں ہوتا

غزل

تمہاری مست نظر کا شِکار ہو کے چلے
جو میگسار نہ تھے، میگسار ہو کے چلے

صبا نے باغ میں چلنا ہی ہے تو کہہ دو اُسے
شمیمِ زُلف بنے، مُشکبار ہو کے چلے

تمہاری برقِ نظر بزم میں گری جن پر
تڑپ تڑپ اُٹھے، وہ بیقرار ہو کے چلے

ہمارا آ گیا فہرستِ عاشقاں میں نام
کِسی کے عشق میں ہم بھی شُمار ہو کے چلے

ہمیں جہاں میں وہ برگشتہ مُقدّر ہیں
"شِکار کرنے کو آئے، شِکار ہو کے چلے"

دِکھا دے رِندوں کو اپنی سخاوت اے ساقی
اُٹھے جو بزم سے وہ بادہ بار ہو کے چلے

جہانِ عشق کی نیرنگیاں، معاذاللہ!
شِکار کرتے نہ تھے جو، شِکار ہو کے چلے

چھُپی نہ عشق و محبّت کی داستاں اپنی
جہاں میں راز ہمیں آشکار ہو کے چلے

گلوں کی فصل ہے ابرِ بہار چھایا ہے

پیو، پیو! کہ یہی وقت کا تقاضا ہے

نِگاہِ ساقیٔ محفِل میں جو پسند آئے

اُسی کو ساقیٔ محفِل سے جام مِلتا ہے

ہمارے سامنے آتے نہیں ہو کیوں؟ تُم کو

ہمیں سے شرم، ہمیں سے حجاب پردا ہے

جب آتی ہے مجھے "عرشؔ" بزرگوار کی یاد

تڑپتا ہے دلِ مضطر کلیجہ ہلتا ہے

خدا ہی جانے کہاں لے کے آگیا ہے شیخ

یہاں نہ مے ہے، نہ ساقی، نہ جام و مینا ہے

یہ اُس کی خاص عنایت ہے اُس کا خاص کرم

جو مجھ کو پینے پلانے کا ذوق بخشا ہے

مجھے جو دیکھا خوشی سے اُچھل پڑے شیشے

کہ میکدے میں کوئی پینے والا آیا ہے

ابھی سے کھینچ لیا ہاتھ پینے سے اے رازؔ

ابھی تو بزم میں اِک دَور اور ہونا ہے

۱۔ حضرتِ عرشؔ ملسیانی (مرحوم)

غزل

مَے پرستوں کو بہر لحظہ پلائے رکھیے
بزم کو، بادہ و مینا کو، سجائے رکھیے

ساتھ مے نوشوں کے بیٹھی ہے پیو شوق سے تم
زاہدوں سے بھی ذرا آنکھ مِلائے رکھیے

دُخترِ انگور کے بوسوں کی ہو لذّت معلوم
جامِ گُلنار کو ہونٹوں سے لگائے رکھیے

رُکنے پائے نہ سرِ میکدہ دَورِ ساغر
گِھر کے آئی ہے گھٹا، دَور چلائے رکھیے

پَے بہ پَے زخم مرے دِل پہ لگاتے جائیں
"اِس گلستاں کو بہاروں سے سجائے رکھیے"

راز کہتے ہیں مجھے مست و شرابی مَیں ہُوں
بادۂ دید سے سرمست بنائے رکھیے

غزل

نہ جانا پاس اُن کے جانِ جاناں ہم نہ کہتے تھے
نہیں راس آنے کی بزمِ رقیباں، ہم نہ کہتے تھے

جو اُن کے پاس جاتا ہے وہ کر دیتے ہیں قتل اُس کو
بغل میں وہ چھُری رکھتے ہیں پنہاں، ہم نہ کہتے تھے

وُہی آخر ہُوا، ہوتا رہے گا حشر تک یونہی
پئیں گے اہلِ زر خونِ غریباں، ہم نہ کہتے تھے

جہاں میں قتل و غارت کی ہوئی ہے گرم بازاری
قیامت ڈھائیگا گردُونِ گرداں، ہم نہ کہتے تھے

بتاؤ کِس کو دیکھا مردِ ایماں تم نے دُنیا میں
نہ پاؤ گے کِسی کو مردِ ایماں ہم نہ کہتے تھے

بچشمِ خود، یہ بزمِ راز میں تم نے بھی دیکھا ہے،
ملے گا پینے کا ہر ساز و ساماں ہم نہ کہتے تھے

ادا انبالہ جوش ملسیانی

غزل

تھا جو فنِّ شاعری سے آشنا جاتا رہا
کاروانِ شاعری کا رہنما جاتا رہا
جس محبّت کیش کے دم سے وفا کا تھا وقار
بزمِ دُنیا سے وہ مردِ باوفا جاتا رہا
ہو گیا کم سلکِ داغِ دہلوی سے اِک گہر
ہائے دُرِّ شاہوارِ بے بہا جاتا رہا
نازشِ علمِ عرُوض و فخرِ علمِ قافیہ
افتخارِ عقل و اِدراک و ذکا جاتا رہا
غش یہ غش کھاتی ہے رو رو کر عرُوسِ شاعری
نام لیوا آخری بھی داغ کا جاتا رہا
جو وحیدُ العصر تھا شعر و سخن گوئی میں راز
بے بدل شاعر وہ اپنی شان کا جاتا رہا

وہ گئے تو انجمن کی ہر خوشی جاتی رہی
اُن کا آنا تھا کہ محفل سے غمی جاتی رہی

تم نے اپنی بزم سے مجھ کو نکالا، غم نہیں
"میرا کیا بگڑا، تمہاری دل لگی جاتی رہی"

مد بھرے نینوں سے ساقی کے چھلک اُٹھی شراب
اس قدر پی ہم نے ساری تشنگی جاتی رہی

برق کو میرے نشیمن میں نہ کچھ حاصل ہُوا
کوندتی آئی مگر چپ چاپ سی جاتی رہی

زندگی میں ہم سمجھتے تھے بڑے پرواز کو
خاک ہونے پر ہماری بے پری جاتی رہی

میری مے نوشی سے ساقی کے اُڑے ہوش و حواس
منہ مرا دیکھا کیا، ساقی گری جاتی رہی

پوچھتے ہیں وہ مرے کوچے میں ہے کس کی تلاش
کونسی شے آپ کی گم ہو گئی، جاتی رہی

دوستی میں شک کی گنجائش کو تقویت جو دی
دشمنی بڑھتی گئی، اور دوستی جاتی رہی

رازؔ ہم نے جب سے دیکھا آبِ حیواں کا اثر
ہر تمنائے حیاتِ دائمی جاتی رہی

غزل

سچا شِشیہ جو ہے مُرشد کو جان و دل سے پیارا ہے
سچا شِشیہ ہی دُنیا میں مُرشد کی آنکھ کا تارا ہے

ایشور کو پانا ہے تو مُرشد کے قدموں میں آجا
اُس کو پانے کی خاطر مُرشد ہی ایک سہارا ہے

ہونے کو تو کتنے ہی شِشیہ اک مُرشد کے ہوتے ہیں
شِشیہ وُہی ہے جس کے دِل میں سیوا کرنے کا یارا ہے

اپنا کر لے مانو یا تو آپ کسی کا ہو جائے
دُنیا کو معلوم تو ہو یہ کس کی آنکھ کا تارا ہے

ہر مانو ہے بھائی اپنا، راز پرایا کوئی نہیں
دیش دیش میں بسے ہوئے ہیں ہر اک دیش ہمارا ہے

غزل

نہ مجھ سے پوچھ ساقی کلفتِ راہِ سفر پہلے
تھکن ہو دور میرے واسطے اک جام بھر پہلے

محبّت کے لئے خونِ جگر اک لازمی شے ہے
محبت مانگتی ہے دوستوں خونِ جگر پہلے

خدا کے واسطے موقع نہ دو اب آہ وزاری کا
ہوا کرتی تھی میری آہ وزاری بے اثر پہلے

نہ ہرگز سن سکو گے داستانِ دردِ دل میری
سناتا ہوں مگر تم تھام لو اپنا جگر پہلے

پہنچتا ہے بہ آسانی وہی شخص اپنی منزل پر
جسے معلوم ہو دشواریِ راہِ سفر پہلے

برا ہو مرغِ بے ہنگام کا وہ چل دیے اٹھ کر
کہ دے دی راز اس کمبخت نے بانگِ سحر پہلے

غزل

مدہوشیوں سے کام لیا ہے کبھی کبھی
ہاتھ اُن کا ہم نے تھام لیا ہے کبھی کبھی

میکش بُھلا سکیں گے نہ ساقی کا یہ کرم
گرتوں کو اُس نے تھام لیا ہے کبھی کبھی

ساقی نے جو پلائی ہماری ہی تھی خرید
ہم سے بھی اُس نے دام لیا ہے کبھی کبھی

کیا بات ہے کہ ترکِ تعلّق کے باوجُود
ہم نے تمُہارا نام لیا ہے کبھی کبھی

اَے فرطِ شوق، ہم نے تصوّر کے فیض سے
نظّارہ اُن کا عام لیا ہے کبھی کبھی

ٹھکراتا کیسے حسن کی اِس پیش کش کو مَیں
مجبُور ہو کے جام لیا ہے کبھی کبھی

دیکھا کبھی نہیں اُنہیں اَے رازؔ بزم میں
جلوہ کنارِ بام لیا ہے کبھی کبھی

غزل

ہم نے واعظ کی خرافات سے کیا لینا ہے
رِند ہیں، خشک ہدایات سے کیا لینا ہے
پارساؤں کی حکایات سے کیا لینا ہے
ہم نے بیہودہ خیالات سے کیا لینا ہے

صُبح سے کرتے ہیں مَے نوش پرستاریِ شام
شام رنگیں ہو تو پربھات سے کیا لینا ہے

دِل میں ارمانوں کی بارات سے رَونق ہے مگر
ہم نے ارمانوں کی بارات سے کیا لینا ہے

ہم فقط جنتِ میخانہ کے شیدائی ہیں
اُس کے باغات و محلّات سے کیا لینا ہے

بھُو کے اعزاز و خطابات کے آئیں، لے جائیں
ہمیں اعزاز و خطابات سے کیا لینا ہے

ہے اگر شوقِ مُلاقات، نہ حالات سے ڈر
چل مُلاقات کو، حالات سے کیا لینا ہے

اُن کی آنکھوں کا جو میخانہ سلامت ہے تو پھر
ہم نے اے رازؔ خرابات سے کیا لینا ہے

غزل

جنھیں زیست میں دلرُبا مل گیا ہے
اُنہیں زِندگی کا مزا مل گیا ہے

ہُوا ہے یہاں مُدّعا جس کا پُورا
وہ سمجھے کہ اُس کو خدا مل گیا ہے

لبِ زندگی بخش سے ہیں شناسا
جنھیں جام آبِ بقا مل گیا ہے

تمہارے تصوّر میں کھوئے ہوئے ہیں
ہمیں جامِ جلوہ نُما مل گیا ہے

ہماری وفا کا بدل اور جفا سے
بجا مل گیا ہے، بجا مل گیا ہے

غموں سے تعلّق نہیں رازؔ اب تو
کہ میخانہ کا راستا مل گیا ہے

غزل

زیست کیا ہے، یہ کوئی راز سمجھتا ہی نہیں
راہِ ہموار سے بے خوف گذرتا ہی نہیں

جام پر جام پئے جاتے ہیں رِندانِ خراب
میری تقدیر، کوئی جام چھلکتا ہی نہیں

شہر میں جاؤں بھی، تو جاؤں کِس اُمّید پہ مَیں
"شہر میں میری زباں کوئی سمجھتا ہی نہیں"

تیر وہ ہے جو کِسی دِل میں سرائیت کر جائے
تیر وہ کیا جو کِسی دِل میں اُترتا ہی نہیں

پُختہ ہوتا نہیں دُنیا میں وہ انساں آزادؔ
منزلِ عشق و وفا سے جو گذرتا ہی نہیں

غزل

اُٹھو، رُباب اُٹھاؤ، بہار کے دِن ہیں
سُریلا نغمہ سناؤ، بہار کے دن ہیں

عدو کے پاس نہ جاؤ منانے جشنِ بہار
ہمارے ساتھ مناؤ، بہار کے دِن ہیں

ہم آبِ تاک تو پیتے ہیں مُغبچو ہر روز
گلاب آج پلاؤ، بہار کے دِن ہیں

سُنا ہے جاتے ہو تم فصلِ گُل میں غیر کے پاس
ہمارے پاس بھی آؤ، بہار کے دِن ہیں

چمن میں پھُولوں نے اپنا جما رکھا ہے رنگ
تم اپنا رنگ جماؤ، بہار کے دِن ہیں

عُروسِ مَوسمِ گُل بن کے باغ میں آؤ
خزاں کو دُور بھگاؤ، بہار کے دِن ہیں

ملیں گے فصلِ بہاراں میں تم سے ہم اے رآز
اب اپنا وعدہ نبھاؤ بہار کے دن ہیں

غزل

دِل، وہ دِل ہے جو محبت کی ہَوا دیتا ہے
دِل نہیں وہ جو عداوت کی ہَوا دیتا ہے

آج کے وقت سے اے دوستو ہُشیار رہو
آج کا وقت قیامت کی ہَوا دیتا ہے

نیک انسان بُری رائے نہیں دیتا کبھی
نیک انسان شرافت کی ہَوا دیتا ہے

عشق کہتے ہیں جسے ہے وہ بہت عجز پسند
حُسنِ مغرُور تو نخوت کی ہَوا دیتا ہے

اِس میں پنہاں کوئی شیرینی ہی شیرینی ہے
مے کا ہر گھُونٹ حلاوت کی ہَوا دیتا ہے

جیب و دامان و گریباں کی نہیں رہتی خبر
موسمِ گُل بھی قیامت کی ہَوا دیتا ہے

لُطفِ ساقی پہ نہ کیوں رازؔ میں قرباں جاؤں
لُطفِ ساقی تو محبت کی ہَوا دیتا ہے

فرزانہ ملے گا نہ ہی دیوانہ ملے گا
میخانہ میں، میخانہ کا مستانہ ملے گا

بُت خانہ ملے گا، نہ حرم خانہ ملے گا
ساقی ہی کا ہر موڑ پہ کاشانہ ملے گا

ہم اوک سے پی لیں گے نہ کر فکر تُو ساقی
پینے کو اگر جام نہ پیمانہ ملے گا

مِل جائیں گے لاکھوں ہی تمہیں چاہنے والے
چاہو گے اگر ہم سا تو ہم سا نہ ملے گا

معراج پہ اِس عہد میں ہے بادہ گُساری
جو شخص ملے گا تمہیں رندانہ ملے گا

میخانے نظر آئیں گے اِس دَور میں ہر سُو
ہر راہ میں، ہر موڑ پہ میخانہ مِلے گا

ہو جائے گا مُشکل ہمیں کعبہ میں پہنچنا
جب راہِ حرم میں کوئی بُتخانہ ملے گا

دیوانگیٔ شوق کو معلوم نہیں کچھ
جاتے ہیں، جہاں سے کہ پھر آنا نہ ملے گا

کیا پُوچھتے ہو راز کا تُم ہم سے ٹھکانہ
میخانے میں ہی راز سا مستانہ ملے گا

غزل

مُرشدِ کامل کی اے اِنساں یہی پہچان ہے
وہ محبت کا ہے پیکر، صاحبِ ایمان ہے

جو ہے اَبھمانی، کبھی ہوتا نہیں وہ سربلند
سر کے بَل گرتا ہے اِک دِن وہ جسے اَبھمان ہے

آپ مُرشد ہیں مِرے، مَیں ہُوں مُرید اِک آپ کا
واجب تعمیل مجھ پر آپ کا فرمان ہے

باتوں باتوں میں وطن پر مٹنے والے ہیں بہت
دیکھنا ہے کون اِن میں غازیِ میدان ہے

دان دو ودّیا کا اوروں کو، اگر دَو دان دو
دان ودّیا کا سبھی دانوں سے بڑھ کر دان ہے

مُرشدِ کامل کے ہی قدموں میں نکلے دَم مِرا
اِک یہی حسرت ہے دِل میں اِک یہی ارمان ہے

راز پانا ہے اگر تُو نے نجاتِ دائمی
ایشور بھگتی فقط نِروان کا سامان ہے

لا، پلا، پیرِ مُغانِ زندگی
تِشنہ لب ہیں میکشانِ زندگی
مَوت ہے، مَے کا نہ پینا موت ہے
مَے کا پینا ہے نِشانِ زِندگی
زِندگی ہی تو ہے اپنی رازداں
اور ہم ہیں رازدانِ زِندگی
اِس کا رُکنا موت ہے، رُکنے نہ دے
اَے اَمیرِ کاروانِ زِندگی
کر رہے ہیں زِندگی کو ہم بسر
دے رہے ہیں اِمتحانِ زندگی
کارِ عُمدہ سے رہے گا زندہ نام
چھوڑ جا کُچھ تو نِشانِ زِندگی
حشر تک باقی رہے جِس کا نشہ
وہ پلا، پیرِ مغانِ زندگی
مرنے کو مَر جائیں لیکن ڈر ہے یہ
کَون ہو گا پاسبانِ زندگی
زِیست پائی، دِن گُذارے، مر گئے
راز یہ ہے داستانِ زِندگی

غزل

پاکیزہ دِلوں کی دُنیا کے لوگوں سے عداوت کیا ہوگی
مکّار دغا بازوں سے کبھی غم خوارئ و اُلفت کیا ہو گی

پیش آنا کسی سے اُلفت سے، ہے نرم دِلوں کا کام یہاں
پتھّر دِل رکھنے والوں سے کچھ اُنس و محبت کیا ہوگی

وِدوان اگر ہو قسمت سے، وِدّیا کا سدا اتم دان کرو
اِس دان سے بڑھ کر دُنیا میں، اے دوست سخاوت کیا ہوگی

ہے مُرشدِ کامِل کا کہنا، ہے یادِ خُدا جیون گہنا
اس فرض سے یوں غافِل رہنا اِس جیسی حماقت کیا ہو گی

ماحَول اُداسی کا ہو جہاں، کیا ہوگی مسرّت رازِ دہاں
اُس بزم میں ہو گا رنج عیاں، خوشنود طبیعت کیا ہو گی

غزل

مانا کہ تری بزم میں چاند آئے ہوئے ہیں
لیکن وہ ترے سامنے گہنائے ہوئے ہیں

جو ہم سے نہ ملنے کی قسم کھائے ہوئے ہیں
شاید وہ اغیار کے بہکائے ہوئے ہیں

مہتاب کے حالات بھی دیکھیں تو کبھی وہ
اِس حسن دروزہ پہ جو اترائے ہوئے ہیں

کہہ دو انھیں آکر مری جنّت میں وہ بس جائیں
جنّت سے نکالے ہوئے جو آئے ہوئے ہیں

آئے گی نظر راز کوئی کل بھی نہ سیدھی
سر تا بقدم آج وہ بل کھائے ہوئے ہیں

غزل

واہ، واہ کیا بات ہے تیری شراب
تو ہے رشکِ ماہتاب و آفتاب

تیری نکہت غیرتِ بوئے سمن
رنگ تیرا رُو کشِ رنگِ گلاب

دہرِ فانی میں تجھی سے دل کشی
ہے تجھی سے رونقِ حسن و شباب

شیشہ و مینا میں کیوں رہتی ہے بند
کیوں تجھے ہے اِس قدر شرم و حجاب

تو تمنائے دلِ پیر و جواں
تجھ سے ہے دل بستگیٔ شیخ و شاب

چاہنے والے تو سوتے جاگتے
دیکھتے ہیں رات دن تیرا ہی خواب

بے گماں جنسِ نشاط افزا ہے تُو
کھول دیتی ہے تُو سرخوشیوں کے باب
مُجھ کو وجہِ رونقِ خانہ ہے تُو
کیوں کہے دُنیا تجھے خانہ خراب
بد مذاقانِ جہاں کو کیا کہوں
بد مذاقانِ جہاں ہیں خود خراب
مُرتکب کفرانِ نعمت کے ہیں وہ
جن کو تیری ذات سے ہے اِجتناب
رازؔ تیرا عاشق سرمست ہے
اے شرابِ ناب اے جانِ شراب

غزل

تُو ہو تو دشت بھی گلزار نظر آتا ہے
تُو نہ ہو، گُل بھی ہمیں خار نظر آتا ہے

جِس کو دیکھو وُہی بیکار نظر آتا ہے
اِس زمانے سے وہ بیزار نظر آتا ہے

سَر تھا سَر، جب ترے قدموں پہ جُھکا کرتا تھا
اب وہ سر کاندھوں پہ اِک بار نظر آتا ہے

مُغبچو، جام پہ جام اِسکو پلاتے جاؤ
مئےکدہ کا یہ پرستار نظر آتا ہے

بد دُعا اُس کی لگی، داد دستد بند ہوئی
سُونا ہر شہر کا بازار نظر آتا ہے

کون ہمدرد ہے، غم خوار ہے، دُکھیوں کا یہاں
رازؔ ہی ایک مددگار نظر آتا ہے

غزل

جہاں بھی دُخترِ رز ناچتی دیکھی نہیں جاتی
وہاں ہوتی ہے جو بے رونقی دیکھی نہیں جاتی

یہ کیا دستورِ بیش و کم ہے میخانہ میں اے ساقی
ترے رِندوں سے یہ ساقی گری دیکھی نہیں جاتی

نکالو مے کے شیشے کام لو اُن سے چراغوں کا
شبِ تارِیک کی یہ تیرگی دیکھی نہیں جاتی

مزا آئے جو پینے واعظانِ شہر آ جائیں
کہ میخانے کی اب بے حُرمتی دیکھی نہیں جاتی

خزاں کی دست اندازی چمن میں اَے معاذ اللہ
"پریشاں گل، فسردہ ہر کلی دیکھی نہیں جاتی

پیوں تو مَیں پیوں کیسے، جیوں تو مَیں جیوں کیسے
کِسی سے راز میری سرخوشی دیکھی نہیں جاتی

غزل

جو کچھ چھلک کر پیمانہ کہہ رہا ہے
تشنہ لبو! وہی کچھ میخانہ کہہ رہا ہے
ہشیار کہہ رہا ہے مستانہ کہہ رہا ہے
ساقی سے ہر کوئی "اک پیمانہ" کہہ رہا ہے
ہر حرفِ رند میں ہے کیفیت اور مستی
جو کچھ وہ کہہ رہا ہے مستانہ کہہ رہا ہے
مینا کی سُن کے قلقل اُس نے بھی منہ کو کھولا
کچھ ڈال دے ادھر بھی پیمانہ کہہ رہا ہے
ہوش و حواس میں ہیں عقل و خرد ہے قائم
دیوانہ ہے، ہمیں جو دیوانہ کہہ رہا ہے
دُنیا کا بچہ بچہ کہتا ہے ہم کو اپنا
وہ کون ہے، ہمیں جو بیگانہ کہہ رہا ہے
راز آ گئے ہیں آؤ، مینا و جام لاؤ
پیرِ مغاں سے سارا میخانہ کہہ رہا ہے۔

غزل

ہمیں، ہیں ہونگے جو جنّت مکاں کہنا ہی پڑتا ہے
ہمیں جنّت کو اپنا آشیاں کہنا ہی پڑتا ہے

ہمیں قطرہ نہیں، غیروں کو میخانے کا میخانہ
یہ کیا دستور ہے؟ پیرِ مغاں کہنا ہی پڑتا ہے

گھٹا چھائی تھی، برسی، اور پھر کھل بھی گئی ساقی
مگر پھر بھی ہیں پیاسے میکشاں کہنا ہی پڑتا ہے

ہماری جب کہ اِک دو جام سے سیری نہیں ہوتی
تو اِک جام اے پیرِ مُغاں کہنا ہی پڑتا ہے

ہجومِ غم سے گھبرائے یہاں آرام پاتے ہیں
ہمیں میخانے کو جائے اماں کہنا ہی پڑتا ہے

تمہارا حکم سر آنکھوں پہ رکھتا ہے ہر اک میکش
تمہیں اے راز شاہِ میکشاں کہنا ہی پڑتا ہے۔

غزل

بند شیشے میں ہے جو آپ اُسے کیا کہتے ہیں

پینے والے تو اسے آبِ بقا کہتے ہیں

وقت آئے گا کہ اُلفت کو کہیں گے اچھا

یہ جو اِس دَور میں اُلفت کو بُرا کہتے ہیں

عاشقوں کے لئے ہے لُطف کرم سے بڑھ کر

جسے محبُوب کی ہم جَور وجفا کہتے ہیں

کیا کریں چپ نہ رہیں بات بھی کرنی آئے؟

حُسن کی چپ کو مگر لوگ ادا کہتے ہیں

راز ساقی سے یہ مے نوش بہت ہیں گستاخ

گر پلانی ہے ہمیں پہلے پلا کہتے ہیں

غزل

ہے دِل پسند انجمنِ شیخ و شاب میں
وہ کیف بھر دیا ہے خُدا نے شراب میں

وہ صحنِ گلُستاں کرے ناز کِس طرح
سب رنگ و بُو تمہارا بسا ہے گُلاب میں

جب کم سنی میں فتنے بپا کر رہے ہو تم
محشر بپا کرو گے نہ عہدِ شباب میں؟

ناز و ادائے حُسن سے ممکن نہیں فرار
مُشکل ہے تیرے ناز سے بچنا شباب میں

ہو جائے گی فزوں تری ساقی گری کی شان
ساقی پلا دے جام شبِ ماہتاب میں

تلقینِ عِشق کرتا ہے اے شیخ حرف حرف
جُز عِشق اور لکھا ہی کیا ہے کتاب میں

وہ بے نیازِ دُنیا و عُقبےٰ ہوئے ہیں راز
ڈُوبے ہوئے ہیں صُبح سے اب تک شراب میں

غزل

کیوں کوئی آزاد رَو سُلطاں بنے
کِس لِئے وہ قیدیِ زنداں بنے

نیک کاری سے بنے اِنساں بشر
کارِ شیطانی سے کیوں شیطاں بنے

اِس سے ہوگا بول بالا دھرم کا
آدمی اِنساں بنے، انساں بنے

زِندگی اُس کی ہے اُس کا ہے جہاں
جو پسندِ دیدۂ خوباں بنے

زندگی میں ہے بشر کو لازمی
پاکبازو صاحبِ ایماں بنے

دردمندوں کا بشر ہمدرد ہو
اور بے دردوں کی مرگِ جاں بنے

اُس کی مرضی ہی سے تو اے رازؔ ہم
میکشِ میخانۂ دوراں بنے

غزل

صحت و محبت سے ہر دَم زندگی میں کام لیں
مُفت کا پائیں نہ ہم، محنت کے دِرم و دام لیں

کام جب ہو سامنے آرام کی سوچیں نہ ہم
کام ہو جائے خوشی سے راحت و آرام لیں

دوست کے غم کو کھوئیں گے بڑی دولت ہے یہ
دوست کا غم دے کے ہم ہرگز نہ مُلکِ شام لیں

صبر و استقلال سے سب مُشکلیں ہوتی ہیں دُور
مُشکلیں جب گھیر لیں تو حوصلے سے کام لیں

بادۂ عرفانیت کا دیکھنا ہے جو مزا
وقتِ صُبح اِک جام لیں، اِک جام وقتِ شام لیں

دوست اور احباب کی محفِل میں یوں ہو زندگی
ہاتھ میں ساغر لئے ہوں کِس لئے صمصام لیں

اپنا مَسلک صُلحِ کُل ہے اپنا مَسلک آشتی
کیوں جہاں میں راآز ہم جنگ و جدل سے کام لیں

غزل

اُنھیں حُسن و ادا نے مار ڈالا
ہمیں عشق و وفا نے مار ڈالا
بُزرگوں کی دُعا نے مار ڈالا
ہمیں طولِ بقا نے مار ڈالا
تھا کارِ ناروا ہی اپنا شیوہ
ہمیں اِس ناروا نے مار ڈالا
ہماری آہ، آہِ نارسا تھی
اِس آہِ نارسا نے مار ڈالا
ہماری عرض اور اُن کے بہانے
بہانے ہی بہانے مار ڈالا
کئی مارے حسین تلخِ ادا نے
ہمیں شیریں ادا نے مار ڈالا
اِس عہدِ نامساعد میں ہمیں رازؔ
زمانے کی فضا نے مار ڈالا

غزل

مَے نہ بَیری ہے، نہ دُشمن ہے کسی کی جان کی
یارِ مخلص ہے یہ دُنیا میں بھٹکے اِنسان کی

آسماں کی سَیر کرتے پھرتے ہیں وِگیان سے
کیا کہیں وگیان کا، کیا بات ہے وِگیان کی

جب کہ ہر اک چیز ہم کو چھوڑ جانی ہے یہاں
کس لئے خواہش کریں ہم ساز کی، سامان کی

کوئی بھی ارماں نہ نِکلا میرے دِل کا آج تک
گھونٹ دی گردن کسی نے میرے ہر ارمان کی

رازؔ انساں کی پرستش سے خُدا کو پاؤ گے
پُوجنا انسان کا ہے بندگی بھگوان کی

غزل

عطائے خاص تھی یہ خود سے کھو گیا ہوں میں
نگاہِ ساقیٔ اوّل کو دیکھتا ہوں میں

مری برابری پینے میں کیا کرے کوئی
میں ابر نوش ہوں دجلہ گسار سا ہوں میں

جہاں میں راندۂ الفت کو ڈھونڈنے والو
جہاں میں ایک ہی تو کشتۂ جفا ہوں میں

قتیلِ خنجرِ جور و جفا کہو نہ مجھے
جہاں میں ایک ہی پروردۂ وفا ہوں میں

خدا کے واسطے میری طرف بھی دیکھ کبھی
اے آفتابِ تجلّی تری ضیا ہوں میں

خم و صراحی و جام و شراب و پیمانہ
ہیں کائنات مری رازِ میکدہ ہوں میں

غزل

زینے کی طرف دیکھ، نہ منزل کی طرف دیکھ
کس سوچ میں ہے غرق تو محفل کی طرف دیکھ

کیا رقص دکھاتا ہے تجھے دیکھنے والے
قاتل کو نہیں، کشتۂ قاتل کی طرف دیکھ

اے دوست تو اس حسنِ دو روزہ پہ نہ اترا
دو روز ہی حسنِ مہِ کامل کی طرف دیکھ

پھولوں سے جو کھیلیں، تو لئے نوچ پر اپنے
گلزار میں بے خودئ عنادل کی طرف دیکھ

پی لی ہے اگر رقص کا کچھ رنگ جمادے
پینی ہے تو پھر ساقئ محفل کی طرف دیکھ

کچھ بھی تو ملے گا نہ تجھے ساغرِ جم سے
اے رازؔ تو میرے قدحِ گل کی طرف دیکھ

غزل

نہیں خالِ سیہ یہ مُصحفِ رُخسارِ جاناں پر
خُدا نے رکھ دیا شاید یہ نُقطہ کوئی قرآں پر

گواہی حشر میں دیں گے ہمارے خونِ ناحق کی
جو دھبے رہ گئے ہیں خون کے قاتل کے داماں پر

گراں جانی سے قاتل بل گئی آخر سُبکدوشی
کیا ہے تیری تیغِ تیز نے احساں مری جاں پر

جنابِ شیخ کو بھی دُخترِ رز سے عقد کی سوجھی
کہیں توبہ کو اپنی رکھ دیا پھر طاقِ نسیاں پر

جنُوں میں بڑھ گیا کچھ ایسا شوقِ دشت پیمائی
مری وحشت نے لا پٹکا مجھے خارِ مُغیلاں پر

نوا سنجِ چمن وہ ہُوں کہ بعدِ مرگ بھی اے رازؔ
کریں گی بُلبُلیں ماتم مرا نخلِ گلستاں پر

غزل

وہ جاتے جانبِ صحرا کہ سُوئے گُلستاں جاتے
جُنوں میں تیرے دیوانے خدا جانے کہاں جاتے

زمیں کا ہو بھلا جس نے لیا آغوش میں اپنی
ترے راندے، خُدا جانے کدھر اے آسماں جاتے

تری برقِ غضب جو آشیانوں کو جَلا دیتی
تو مُرغانِ چمن پھر کِس طرف اے باغباں جاتے

جو تنکے آشیاں کے بچ گئے صیاد کے ہاتھوں
بھلا بچ کر کہاں تجھ سے وہ اے برقِ تپاں جاتے

نہ ہوتی آج یہ صورت ہمارے خانۂ دِل کی
نہ ہم جو میزباں ہوتے، نہ وہ جو میہماں جاتے

تواضع کی ہے خونِ دِل سے مَیں نے حسرت و غم کی
نکل کر راز دِل سے کس طرف یہ میہماں جاتے

غزل

فروغِ حُسن سے دیدارِ قاتل پا نہیں سکتے
تہہِ خنجر بھی بسمل حسرتِ دِل پا نہیں سکتے

تری محفل میں اہلِ دل کو دِل سے ہاتھ دھونا ہے
جو تُو ہو رُو بہ رُو، سینے میں وہ دِل پا نہیں سکتے

شہیدانِ محبت دِل سے دیتے ہیں دُعا تجھ کو
خُدا رکھے تجھے، وہ تجھ سا قاتل پا نہیں سکتے

بُتِ سفاک کے ہاتھوں میں خنجر ہے نہ برچھی ہے
شہیدانِ وفا اندازِ قاتل پا نہیں سکتے

ترے دیوانگانِ عشق، جس منزل میں رہتے ہیں
اُسے ہرگز خردمندان کامل پا نہیں سکتے

جنُونِ فتنہ ساماں کی بدولت رازؔ ہم اکثر
سرِ منزل پہنچ کر بھی تو منزل پا نہیں سکتے

غزل

اپنی محفل میں، ہمیں تم سے بُلایا نہ گیا
طالبِ دید کو، دیدار دِکھایا نہ گیا

سی دیئے رعب نے اُن کے لبِ گفتار ایسے
حالِ دِل اُن کو سُنانا تھا، سُنایا نہ گیا

خوب کھُل کھیلے سرِ بزم عدو سے مِل کر
ہم کو اِک بار بھی محفل میں بُلایا نہ گیا

بجلیاں خاک گراؤ گے نظر کی دِل پر
اِس طرف تم سے جب اِک بار بھی دیکھا نہ گیا

کُوچۂ یار میں لے آئی صبا خاک مری
مر کے بھی سر سے مرے عشق کا سودا نہ گیا

خواہشِ وصل میں اُس بُت کو گلے سے آرزو
لاکھ چاہا تھا لگاؤں میں، لگایا نہ گیا

غزل

عِشق میں ہم بھی آپ پہ جان و جگر فِدا کریں
"آپ سے خوب تر ہے کون، آپ اگر وفا کریں

شیخِ حرم ہیں آپ تو، عشقِ بُتاں سے کیا غرض
صحنِ حرم میں بیٹھ کر، یادِ خُدا کیا کریں

عشق و وفا کی راہ میں، دِل کا ہے مشورہ یہی
وہ کہیں، ہم سُنا کریں، جو وہ کہیں کیا کریں

ہوتی ہے خاطیوں پہ ہی، بارشِ رحمتِ خُدا
دِل کی یہی ہے آرزو، ہم بھی کوئی خطا کریں

عِشق کے میکدے میں غیر، جامِ نشاط سے ہو شاد
شومیٔ بخت سے ہمیں، ساغرِ غم پیا کریں

اُن سے کوئی یہ کہہ دے راز، مشقِ ستم ہمیں پہ ہو
ہم ابھی زندہ ہیں تو کیوں، غیر پہ وہ جفا کریں

غزل

مجھے جب محبّت کا سودا نہ تھا
میں دُنیا میں اِس طور رُسوا نہ تھا

وہ تھا مست آنکھوں کا اِک میکدہ
جہاں کوئی بھی رند پیاسا نہ تھا

تُمہیں شمعِ محفل تھے بس رات کو
"بھری بزم میں کوئی تم سا نہ تھا"

شرابی بنایا نظر نے تری
میں پہلے پرستارِ صہبا نہ تھا

سہارا نہ ہوتا اگر آپ کا
مری زندگی کا ٹھکانا نہ تھا

نہ اُٹھتیں کبھی وقت کی گردشیں
مرے ہاتھ میں جامِ صہبا نہ تھا

کوششیں لاکھ کیں چارہ گرنے مگر
مرے دِل کا اے رازؔ چارا نہ تھا

غزل

قابو میں کس لئے دمِ وعدہ زباں نہیں
ہر ایک بات پر جو یہ کہتے ہو ہاں نہیں

جلوہ خدا کی ذات کا کس میں کہاں نہیں
وہ کون شے ہے جس میں وہ پرتو فشاں نہیں

شانِ فروغِ حُسن پہ ہے اِک جہاں فِدا
شہرت تمہارے حُسن کی آخر کہاں نہیں

سودا اے عشقِ یار خریدا تو ہے مگر
ہے یہ غلط کہ سود ہے اس میں زیاں نہیں

ہر شعر میں ہے لذّتِ قند و نبات رازؔ
کہتے ہیں تجھ سا کوئی بھی شیریں بیاں نہیں

غزل

سُنا ہے وہ بُتِ شیریں مقال آئے گا
پلانے کو ہمیں آبِ زلال آئے گا

ہماری بزم میں شاہِ جمال آئے گا
مثال جس کی نہیں بے مثال آئے گا

ہماری عرضِ تمنا پہ وہ ہوئے برہم
خبر نہ تھی اُنھیں اِک دم جلال آئے گا

وہ اِس لئے بھی مری بات تک نہیں سُنتے
اُلٹ پلٹ کے سوالِ وصال آئے گا

تڑپ اُٹھیں گے چلے آئیں گے وہ خود اِک دِن
"کبھی تو اُن کو ہمارا خیال آئے گا"

جواب بن نہ پڑے گا کِسی سے روزِ جزا
مرے ستانے کا جس دم سوال آئے گا

شراب خانے کا در بند ہے ابھی اے رازؔ
کھُلے گا میکدہ جس دم کلال آئے گا

غزل

وہ نِگاہِ حُسن، ادا و ناز دِکھلاتی رہی
اہلِ دِل کی جان پر، ظُلم و ستم ڈھاتی رہی

بزم پھیکی ہی رہی، جب تک نہ وہ شامل ہوئے
تیرے دیوانوں سے محفِل رنگ پر آتی رہی

شمع و پروانہ کی صُورت، ہم یہاں مِلتے رہے
دِلبری اُن کو، تو مجھ کو عاشقی آتی رہی

کھا کے غش جاں سے گذر جانا کوئی مشکل نہ تھا
اُن کے دامن کی مگر ہم کو ہوا آتی رہی

مَیں تو اُلجھی زُلف کو اے رازؔ سُلجھاتا رہا
زُلف کی ناگن مگر، رہ رہ کے بل کھاتی رہی

غزل

دے بھر کے جام آگ کا پیرِ مغاں مجھے
"آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے

ساقی پلا دے ایسی مئے ارغواں مجھے
جو اُس کی ذاتِ پاک کا دے دے نشاں مجھے

میری جبینِ شوق نے سجدے لُٹا دیئے
جب جب مِلے ہیں قدموں کے تیرے نشاں مجھے

جلدی بھی کیا ہے برق ذرا رُک کے کوندنا
پہلے بنا تو لینے دے اِک آشیاں مجھے

ہر نازِ حُسن دیکھ رہا ہوں بچشمِ شوق
بے چین کر نہ دیں کہیں انگڑائیاں مجھے

چھوڑوں تو کیسے چھوڑوں ترے سنگِ در کو میں
محرابِ جان و دِل ہے ترا آستاں مجھے

انجامِ میکشی سے تو میں باخبر ہوں راز
لیکن ہیں دِل پسند یہ سرمستیاں مجھے

غزل

مرجاؤں گا خوشی سے خوشی کی خبر نہ دے
ہاں! مژدۂ وصال مجھے نامہ بر نہ دے

مل جائے کاش مجھ کو کوئی ایسا رازداں
جو مجھ کو میرے حال کی ہرگز خبر نہ دے

کرنے لگا ہوں غرق سبھی دل کی کائنات
ڈر ہے تو یہ ہے دھوکہ کہیں چشمِ تر نہ دے

یا ان بتوں کے دل کو شناسائے مہر کر
یا اے خدا مجھی کو تو ذوقِ نظر نہ دے

منت کشِ خمار نہ ہو جائیں بادہ کش
جام ایسا ان کو ساقیِ دیوانہ گر نہ دے

عشاقِ نامراد نہ مرجائیں رازؔ کیوں
جینے بھی چین سے جو انھیں فتنہ گر نہ دے

غزل

ہے چھائی ہوئی گرچہ گُناہوں کی گھٹا بھی
ہوتے ہیں بہر کیف یہاں کارِ سخا بھی

مِٹ جائیں جو ہمراہِ عدو ہم، تو نہیں غم
کچھ ایسی سرِ بزم چلے تیغِ جفا بھی

پڑتے ہیں ہمیں جھیلنے سب رنج و مُصیبت
سچ یہ ہے کہ ٹلتا نہیں قسمت کا لِکھا بھی

ہر گام پہ اے خارِ مُغیلاں ترے صَدقے
صحرا میں تڑپتا ہے کوئی آبلہ پا بھی

کہتا ہے طبیبوں سے یہ بیمارِ محبت
کیجئے گا مرے حق میں دوا اور دُعا بھی

کہتی ہے سرِ بزم وہ دُزدیدہ نظر راز
دل میں ہے محبت، تو ہے آنکھوں میں حیا بھی

غزل

جب خوفِ خزاں سے چُپ ہو کر شاخوں پہ عنادِل بیٹھ گئے
ماحول میں نغمے کیا اُٹھتے جب مُطرب محفل بیٹھ گئے

سب رہ ہی گئے اہلِ ساحل، ہاں دستِ تاسُّف مَل مَل کر
طوفاں سے اُبھر کر جب بیڑے قُربِ لبِ ساحل بیٹھ گئے

جب قافلے والے اے ہمدم آسودۂ منزل ہو نہ سکے
راہوں میں پکڑ کر ہاتھوں سے ارمان بھرے دِل بیٹھ گئے

گلزار میں تھا اِک شور بپا، لب پر تھی فغاں ہر طائر کے
صیّاد کے خوف سے گلشن میں ہو کر سبھی بیدِل بیٹھ گئے

دیکھو ذرا میرے مرنے پر، میّت پہ ہوئی وہ نوحہ گری
دُشمن بھی حبیبوں میں میرے ہو کر سبھی شامل بیٹھ گئے

دیکھا جو طلسم ہوش رُبا، اے رازؔ حریم مقتل میں
دُزدیدہ نظر سے قاتل کی، دِل تھام کے بسمل بیٹھ گئے

غزل

زِندگی اَے دوست اِک آزار ہے تیرے بغیر
"ہر نفس چلتی ہوئی تلوار ہے تیرے بغیر"

تُو تھا میخانے میں تو' زاہد بھی رِندِ مست تھا
زاہدِ خُشک آج ہر مَے خوار ہے تیرے بغیر

تیری ہمراہی سے اُس کا بھی تو قائم تھا وقار
اب وُہی ہستی ذلیل و خوار ہے تیرے بغیر

تیرے ہوتے خار بھی میری نظر میں پھول تھا
پھول بھی میری نظر میں خار ہے تیرے بغیر

تُو جو رُوٹھا ہے تو وہ کیفیت و مستی کہاں
اب شرابِ ناب بھی بے کار ہے تیرے بغیر

ہاتھ پر تو ہاتھ کیوں رکھتے ہوئے بیٹھا ہے رازؔ
ہر بشر مصرُوفِ کاروبار ہے تیرے بغیر

غزل

شیشے سے جاموں میں مے ڈھلتی رہی
انجمن رِندوں کی یوں چلتی رہی

جس پہ ساقی کا رہا لُطفِ نظر
بزم میں مے اُس طرف چلتی رہی

کیوں نہ زیست اپنی ہو ساقی پر نثار
اُس کے فیضِ لُطف سے پلتی رہی

کچھ نہ پوچھو میکدے میں دُخترِ رز
کتنے لاڈ اور چاؤ سے پلتی رہی

رازؔ اِس بحرِ فنا کی موج میں
رُک نہ پائی زِندگی چلتی رہی

غزل

یہی تو بات ساقی کو بتانے کی ضرورت ہے
ہمارے قبر میں اک بادہ خانے کی ضرورت ہے

کہاں جائیں ترے مستانے اے ساقی کہاں جائیں
ترے ہی سائے میں مستوں کو آنے کی ضرورت ہے

خدا کے سامنے سر کو اٹھانے سے ہے کیا حاصل
"خدا کے سامنے سر کو جھکانے کی ضرورت ہے

گھٹائیں گھر کے آئی ہیں سرِ میخانہ اے ساقی
ہمیں اب جام بھر بھر کر پلانے کی ضرورت ہے

جو ہیں مارے ہوئے رنج و غم و آلام کے اے راز
اُنھیں میخانے میں اِک جام اُٹھانے کی ضرورت ہے

غزل

بیمارِ محبت کا مداوا نہیں کرتے
کیا جانیئے وہ کیوں ہمیں اچھا نہیں کرتے

ساقی ہو تو کیوں جام پلایا نہیں کرتے
تم کیوں ہمیں مستانہ بنایا نہیں کرتے

کچھ واسطہ ہی اُن کو نہیں ہوش سے ساقی
مستانے ترے ہوش میں آیا نہیں کرتے

ارمان نکل جائے تو کیا دِل میں رہے گا
ہم اُس کے نکلنے کی تمنا نہیں کرتے

وہ چہرے سے کس واسطے پردے کو ہٹائیں
جب ہم ہی نظارے کا تقاضا نہیں کرتے

مُردوں کو جلاتے ہو یہ اک دھوم مچی ہے
تم ہو کے مسیحا ہمیں اچھا نہیں کرتے

اے رازؔ ہم اِک عرصہ سے بیمار پڑے ہیں
آیا نہیں کرتے کہیں جایا نہیں کرتے

غزل

خواہشِ راحت خیالِ خام ہے
رنج و غم ہی زیست کا اِنعام ہے

جینا مُشکل ہے تو مرنا بھی محال
زِندگی کی ہر ادا بد نام ہے

گردشِ دَوراں سنبھل کر اِس طرف
اِس طرف گردش میں دَورِ جام ہے

کِس لئے مُردہ دِلی سے کام لیں
زِندگی، زِندہ دِلی کا نام ہے

زِیست کے میخانے میں سیری کہاں
جو بھی ہے اِس میں وہ تِشنہ کام ہے

شیخ صاحب اِس طرف آجایئے
بادہ ہے، ساقی ہے، دَورِ جام ہے

اِس طرف بھی ساقیا لُطفِ کرم
اِس طرف بھی خادمِ بے دام ہے

کچھ نہ پوچھو رازِ صہبا نوش کی
شاعِر اچھا ہے مگر بدنام ہے

غزل

رکھا 'وا' شب کو میخانے کا باب اوّل سے آخر تک
کیا ساقی نے یہ کارِ ثواب اوّل سے آخر تک

نہ رکھی کچھ کمی ساقی نے رِندوں کو پلانے میں
پلائے پے بہ پے جامِ شراب اوّل سے آخر تک

لڑکپن سے بڑھاپے تک رہے ہم جام کے رَسیا
ہوئے اِس شوق میں خانہ خراب اوّل سے آخر تک

جہانِ عشق میں یہ رنگ لائی اُس کی بے چَینی
دِلِ مُضطر رہا ناکامیاب اوّل سے آخر تک

شباب اُس شوخ پر اے رازؔ چھا کر ڈھل گیا پھر بھی
نہ بولا ہم سے وہ مستِ شباب اوّل سے آخر تک